سیدنا

سلیم گیلانی

صادقین ۸۶



سلیم گیلانی

مجموعہ نعت سیرت ایوارڈ (اوّل انعام)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا ذکرِ سحر، وردِ شام سیدناؐ
حضورِ دل سے صلوٰۃ و سلام سیدناؐ

خدا کے بعد ہے تیرا ہی آسرا ہم کو
خدا کے بعد ہے تیرا ہی نام سیدناؐ

تری نگاہِ کرم سے دلوں نے پایا ہے
سرورِ سجدہ و لطفِ قیام سیدناؐ

بیاضِ زیرِ نظر، ہدیۂ درود و نیاز
ہنوز ہے ورقِ ناتمام سیدناؐ

گر ایک حرف بھی اس کا قبول ہو جائے
تو سرفراز ہو تیرا غلام سیدناؐ

سلیم گیلانی

اسلام آباد

علم و عرفان پبلشرز
34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7232336 - 7352332
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

ورفعنا لک ذکرک

صدق اللہ

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذِکر کو رفعت بخشی - (الانشراح)

سیدنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سید سلیم گیلانی

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352332
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب .... سیّدنا ﷺ (نعتیہ مجموعہ)

مصنف .... سلیم گیلانی

ناشر .... گل فراز احمد

علم و عرفان پبلشرز، لاہور

مطبع .... جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور

سرورق .... صادقین

سن اشاعت .... اکتوبر 2003ء

قیمت .... -/130 روپے

☆...... ملنے کا پتہ ......☆

علم و عرفان پبلشرز

34- اردو بازار، لاہور فون: 7352332

والدہ مرحومہ

سیّدہ منظور فاطمہ

کے نام

اِنتہائی عِجز اور تعظیم کے ساتھ

نعت نگاری کے دَورِ جدید میں جن چند شعراء نے اِس صنفِ سخن میں مضامین اور اسالیب کے منفرد اضافے کیے ہیں ان میں سلیم گیلانی بھی شامل ہیں ۔ اُنھوں نے بظاہر سبھی نعتیں غزل کی ہیئت میں کہی ہیں مگر ان سب نعتوں میں ان کے لہجے سے ان کا ایک الگ اسلوب صورت پذیر ہوتا ہے۔ اس لہجے میں عقیدت کے ساتھ ساتھ مٹھاس اور نرمی ہے جو پڑھنے اور سننے والے کے اندر اِس تاثر کو یقین کی صورت دیتی چلی جاتی ہے کہ نعت کہنے کا یہ انداز کم کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اسلوب کی اِس انفرادیت کے علاوہ سلیم گیلانی کی نعتوں میں مضامین کا تنوع بھی حیرت انگیز ہے ۔ ظاہر ہے کہ نعت کا موضوع تو صرف ایک ہے اور وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہے مگر مضامین کا تنوع وہاں پیدا ہوتا ہے

سلیم گیلانی کی تصنیف "سیّدنا" نعتوں کا مجموعہ ہے، اِس مجموعے کی تمام نعتوں میں انھوں نے عشقِ رسُول کے اِظہار کا جو پیرایہ اختیار کیا، وہ سوز وگداز اور جذب و مستی سے عبارت ہے۔ خود ان کے نزدیک اِتنی دیر تک خاکِ مضافاتِ مدینہ تک رسائی ممکن نہیں جب تک بصارت کو بصیرت کا قرینہ نہ آجائے اور حقیقت یہ ہے کہ اِس قرینے کے بغیر نعت لکھی ہی نہیں جا سکتی۔

سلیم گیلانی کے ہاں انداز فریاد کا ہو یا اِلتجا کا، ممدوحِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حضوری کا اِفتخار ہو یا اپنی کم مائیگی کا احساس، طَیبہ کے قافلوں سے مکالمہ ہو یا مدینہ جاتی ہوئی ہَواؤں سے سرگوشی، عصرِ حاضر کی کلفتوں کا بیان ہو یا شب و روزِ نبیؐ کی تقدیر پر رشک کی کیفیت، جذبۂ محبت کی سرشاری ہر جگہ موجود ہے۔

ایک اور وصف جو "سیّدنا" کے شاعر کو اپنے عہد کے دیگر شعراء سے علیحدہ

جہاں نعت نگار محبت، عقیدت اور فریفتگی کے اظہار کا ہر ممکن طریقہ آزماتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر جذبے کا جو وفور ہے، وہ پُوری طرح اظہار نہیں پا سکا اس لیے وہ ایک نئے رُخ سے نئی لفظیات کے سہارے مدحت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح اس کے ہاں اسلوب کی انفرادیت کے ساتھ ہی مضامین کا تنوع گلہائے عقیدت کی بوقلمونی کا منظر پیش کرتا ہے۔ سلیم گیلانی نے اتنے متعدد رُخوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر رکھا ہے اور پھر اس اعزاز پر اِتنی عاجزی سے فخر کیا ہے کہ اردو نعت نگاری کے آفاق امکانات کی آخری حدوں تک پھیلتے محسوس ہوتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی

پہچان عطا کرتا ہے، وہ ہے ان کا حرف کے استعمال کا سلیقہ، تمام تر معنوی اور فکری امکانات کے ساتھ۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو کشمکش میں مبتلا اِس سہولت پسند عہد میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہے۔

سلیم گیلانی نے نعت گوئی میں عقیدت مندی کے جذباتی اِظہار تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ افکار و انوارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے یکساں فیضیاب ہُوئے ہیں۔ اہلِ خرد کی صحبتوں سے حاصل شدہ دانشمندی اور درِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے نِسبت کے فیضان نے اُن کے حرف کو ایک انوکھی دلگداز تاثیر عطا کر رکھی ہے۔

۹ر اگست ۱۹۸۶ء جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال

جناب سید سلیم گیلانی کی نعتوں کا گلدستہ "سیدنا" نظرافروز ہوا۔ سلیم گیلانی صاحب سے اپنے روابط کا سرمایہ دو تین مصافحوں سے زیادہ نہیں، مگر اب "سیدنا" کے اشعار کی بدولت محسوس ہو رہا ہے کہ مَیں ان کے بہت قریب ہوں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم زیں جہت بایکدگر پیوستہ ایم

اِسی مضمون کو سلیم گیلانی اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں:

تری قیادت کی رحمتیں ہیں تری رسالت کا معجزہ ہے
کہ لاکھوں میلوں پہ رہنے والے بہم دگر ہم نظر ہوئے ہیں

اِن نعتوں میں نغمگی ہے، کلمات کا در و بست فنکارانہ، لہجے میں سپردگی، خطاب میں شیفتگی، اِلتجا میں سلیقہ اور دُعا میں ادب ہے۔ شاعر کو علم ہے کہ وہ رحمۃ للعلمین اور مقصودِ تکوین کی بارگاہِ کونین پناہ میں حاضر ہے جس کے شہر کی خاک کا عالم خود بقول سلیم گیلانی یہ ہے:

جذب ہیں اشک یہاں چشتی و جیلانی کے
خاک مُٹھی میں اُٹھاؤ تو گہر مل جائے

اُس بارگاہِ قدس میں حاضری کا نیاز آگیں سُرور بآسانی بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون لطیف ہے اور کسی لطیف الطبع شاعر ہی کو اس سے عہدہ برآ ہونے کا یارا ہو سکتا تھا:

جبیں پہ نُور، نظر میں ادب، دلوں میں گداز   حریم ناز کے مہمان بھولتے ہی نہیں

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تو کسی سے ادا نہیں ہو سکتا، کوئی شاعر کتنا ایجاد پسند ہو جب وہ نعت کا حق ہی ادا نہ کر سکے تو مبالغہ کیسا؟ یہاں تو مبالغے کے گمان کی بھی گنجائش نہیں۔ سلیم گیلانی کہتے ہیں:

؎ یہ جانتا ہوں کہ ممکن نہیں ثنا تیری   مگر یہ کاوشِ حرف و بیاں جہاں تک ہے

نعت میں ایسے سادہ اور پُرکار اشعار، خدا کی خاص عنایت کے بغیر نصیب نہیں ہوتے:

؎ اللہ کے کلام کا حاصل ترا پیام   اللہ کے پیام کا حاصل ترا کلام

پروفیسر محمد منوّر

ڈائریکٹر، اقبال اکیڈمی پاکستان

روایتی پیرایۂ اظہار سے منفرد اندازِ بیاں کی طرف یہ زقند سلیم گیلانی کی شعری واردات کا ایک انوکھا رُوپ ہے۔ اپنی نعتیہ تخلیقات میں سلیم گیلانی نے واردات و تجربات کو اپنی ذات میں سمونے اور ذات کے اِرتفاع کا کام لیا ہے۔ احترام اور نیازکیشی کے ساتھ ساتھ جذبے کی شدت اور اعلیٰ تجربات کو اپنی شخصیت کے حوالے سے دیکھنے اور برتنے کا سلیقہ غالباً اُس قُدرتِ فن کے سبب ہے جو گیلانی کو غزل کے مَیدان میں حاصل ہوئی۔ اس کی نعتوں میں تغزل کی آنچ اور چاشنی شامل ہے۔ سلیم نے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تصوّر کے ساتھ جو رشتہ قائم کیا ہے وہ غزل کے راستے سے ہو کر آیا ہے۔ سلیم کی نعتوں میں یہ رنگ ایک شِعری محرّک کے طور پر دکھائی دیتا ہے، اسی سے اس کے تخیّل کو مہمیز ہوتی ہے اور وہ مدینے کی گلیوں میں رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو گھومتا پھرتا دیکھتا

ہے لیکن حدِ ادب شبیہ کاری کی اجازت نہیں دیتی، معطر ہوائیں اس کا بدل ہیں۔

سلیم گیلانی اعلیٰ تخلیقی ساعتوں میں موسیقی، تغزل، تصویر کاری اور جذبے کی شدت کو اس طرح باہم آمیز کرتے ہیں کہ ان کی شاعری اپنی حدت اور شدت کے سبب ہمارے نعتیہ سرمایۂ شعر میں ایک اہم اضافہ ہے۔ وہ خطابی انداز کے باوجود جذبے کو سادھے رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں رقت کی بجائے توازن ہے اور یہی ان کے تخلیقی جوہر کا خاص کارنامہ ہے۔ انھوں نے جذباتی سطح پر جو محسوس کیا ہے اسے تخلیقی سطح پر پیش کر دیا ہے اور یہ کھری شاعری وقیع، جاندار اور مؤثر ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

صدر نشیں

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

عرضِ ناشر

نعت کا ہماری ثقافت سے کیا تعلق ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جو ادب ثقافت اور تاریخ کے حوالے سے ذہن میں ابھرتا ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں عقیدے کی سچائی، ایمان کا خروش اور عمل کے مثبت اور مثالی پہلو کے حوالے سے نصیب ہو جاتا ہے کہ نعت اس عظیم ہستیؐ کی ذات بحرِ بے کنار سے تعلق کے اظہار کا نام ہے۔ جس نے اپنے فکر و عمل کے ذریعے انسان کو تہذیبی اقدار فراہم کیں۔

نعت اس عظیم ہستی سے عقیدت کا ایک ایسا فنکارانہ اظہار ہے۔ جس میں ماضی کی عظمت، حال کا چہرہ اور مستقبل کے خواب جلوہ گر ہوتے ہیں۔ نعت کی صنف اردو ادب میں قدیم ہونے کے باوجود اپنا جدید حوالہ رکھتی ہے کہ ہادیٔ برحق رحمۃ للعلمینؐ کی شخصیت ہر دور میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے اس حوالے سے نعت ایک ایسا مسلسل تاریخی تخلیقی عمل ہے جس کے ذریعے ہم اپنے ایمان کو تازگی اور ارادوں کو امنگ بخشتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلامؐ کی ذات نے دنیا کے پسماندہ معاشرے کو جن عالمگیر اقدار اور ثقافتی ضابطوں سے نوازا ہے ان کی بدولت انسانیت کو زندگی گذارنے اور خود کو پہچاننے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ آدمی سے انسان بننے کے عمل میں یہ اقدار بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان اقدار کا شعور ثقافتی شعور ہے اور اس شعور کا خوبصورت اظہار نعت کی صنف میں ہی کیا جا سکتا ہے۔

نعت عقیدے کی صداقت، تخیل کی وسعت اور ادراک کے ساتھ ساتھ فنکارانہ پاکیزگی کا تقاضا بھی کرتی ہے کہ نعت کہتے وقت شاعر خود کو جن آفاقی صداقتوں سے ہمکنار کر رہا

ہوتا ہے وہ عمومی سطح سے کہیں بلند، اپنا وجود رکھتی ہیں۔ اس فنکارانہ پاکیزگی کی بدولت نعت کا ثقافتی رنگ بہت نمایاں ہے کہ ثقافت کا تعلق بھی حسن، خیر، نیکی اور فلاح سے بہت گہرا ہے اسلامی ثقافت کی یہ اقدار نعت کا موضوعاتی دائرہ اتنا وسیع کر دیتی ہے کہ انسان کی رُوحانی اور مادی شخصیت اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں نعت کو ہماری مجلسی زندگی میں اہم حیثیت حاصل ہوئی ہے۔ ادبی مجالس ہوں یا حکام کی محفل، دینی اجتماع ہو یا ثقافتی تقریب، نعت کے بغیر فضا کی رونق قائم نہیں ہوتی۔

نعت کی ثقافتی اہمیت کا احساس اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ نعت گوئی کو باقاعدہ ایک فن کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اجتماعی جذبے اور عقیدت کو نعت کی صُورت میں جو زبان عطا ہُوئی ہے وہ اس صنف کی رُوحانی قوّت اور اجتماع سے اس کے تعلق کی دلیل ہے۔

سلیم گیلانی کا نعتیہ کلام "سیّدنا" نعت کے فنی و تکنیکی ارتقار کی خوبصُورت مثال ہے ملک کے ممتاز اہلِ قلم اور دانشوروں نے "سیّدنا" کے بارے میں جن آرار کا اظہار کیا ہے کتاب میں شامل ہیں۔

علم و عرفان پبلشرز، لاہور کو اس کتاب کی اشاعت پہ فخر ہے ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب قارئین کے جذبۂ ایمانی کی تازگی کا باعث بنے گی۔

گل فراز احمد

پیش لفظ

اظہار کا کوئی پہلو، بیان کا کوئی اُسلوب، فکر کا کوئی پیرایہ، ابلاغ کا کوئی انداز اُس قلزمِ عقیدت کی شناوری کا دعویٰ نہیں کر سکتا جو ہر مسلمان کے دل میں نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لئے موجزن ہے۔ زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے چودہ سو سال سے سرگرداں ہیں کہ آپؐ کی عظمتوں کا بیان ہو تو کیسے، آپؐ کی رفعتوں کی تفسیر ہو تو کیونکر۔ بات یہ ہے کہ آپؐ کی عظمت بے پایاں، آپؐ کی رفعت لامحدود اور قلبِ مومن میں آپؐ کے احترام کی شدّت بے اندازہ ہے۔ نہ عظمت و رفعت کی کلّیت حلقۂ اظہار میں سمٹ پاتی ہے نہ عقیدت و محبت کی بیکرانی دائرۂ الفاظ میں آتی ہے۔

لفظ محدود ہیں اور حسن ترا لامحدود
ذرّے خورشید کا کس طرح احاطہ کرلیں

الفاظ کی تہی دامنی کے علاوہ، نعت گوئی میں اور بھی کئی نازک مقام آتے ہیں۔ محبت، عقیدت، ادب اور التجائے کرم نعت کی اساس ہیں۔ نعتِ پیمبرؐ نام ہی اُس حسین امتزاج کا ہے جس میں یہ سارے عناصر بہترین انداز سے ساتھ، شعری اظہار کی صورت پاتے ہیں۔ یہ میزان ذرا بھی غیر متوازن ہو جائے تو انسان عمر بھر کی نیکیاں گنوا بیٹھے۔ اور پھر یہ امر بھی قابلِ التفات ہے کہ محسنِ عالمؐ کی ذاتِ والاصفات کی وسعت اور گیرائی کماحقہٗ ہمارے دائرہ فہم میں نہیں ہے۔ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۔ رشتۂ مُرسِل و مُرسَل کے اسرار و رموز، اُس کے مضمرات اور تلازمات کے کئی پہلو بالالتزام ہمارے ہالۂ ادراک سے باہر رکھے گئے ہیں کہ یہ علم "علماً نافعاً" کی حدود

میں نہیں آتا۔ اس پر محض قیاس آرائی ہو سکتی ہے اور وہ بھی کوتاہ فہمی کی
بنیاد پر جو یقیناً زیبا نہیں۔

لہٰذا کسی زبان کا ہو دُنیا ئے ہست و بود کی دید و شنید کا پرتو ہوتا ہے
بہت وسعت پیدا کر لیتا ہے تو کسی حد تک جذبات و محسوسات کا ترجمان بن جاتا ہے۔
نعت گوئی میں بھی الفاظ اُس قلبی و روحانی تعلق کا محض ایک ہیولیٰ سا پیش کر سکتے
ہیں جو ہمیں رحمۃ للعالمینؐ کی ذات بابرکات سے ہے۔ سیرتِ عالیہؐ کے
صرف معلوم و محسوس پہلوؤں کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں، اُن کا احاطہ نہیں
کر سکتے۔ اور تجلیاتِ ماورائے علم و حس کی طرف تو اشارہ بھی ممکن نہیں۔

جب عجز کا یہ عالم ہو تو ؎

کس کو یارا کہ کرے عرضِ ہنر اُن کے حضور
بس مرا عجزِ ہنر میرے نبیؐ تک پہنچے

شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسّانؓ بن ثابت کی ایک نعت پر کسی نے
داد دی تو آپ نے بے ساختہ فرمایا کہ میرے اشعار تو کیا لائقِ تحسین
ہوتے، حضورؐ کا اسمِ مبارک جہاں آجاتا ہے، روشنیاں لٹا جاتا ہے۔

یہ جانتا ہوں کہ ممکن نہیں ثنا تیری
مگر یہ کاوشِ حرف و بیاں جہاں تک ہو

[illegible]
۱۲/۱۲/۸۶

مقدمہ

شاعری گمشدگی اور بازیافت کے درمیانی لمحوں کا وہ سفر ہے جو معلوم سے نامعلوم کی طرف جاری رہتا ہے۔ ہمیں جو کچھ معلوم ہے، وہ ہمارا اثاثۂ سفر ہے اور جو معلوم نہیں وہ غایتِ سفر۔ گمشدگی اس سفر کا نقطۂ آغاز ہے اور بازیافت حدِ آخر۔ سچا شاعر آخری حد تک کبھی نہیں پہنچتا کیونکہ اس کے لیے سفر کا جاری رہنا ہی زندہ رہنے کے مترادف ہوتا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں شاعری کا سفر زندگی کا سفر ہے۔ زندگی کسی مقصد کے بغیر نہیں ہو سکتی، یہی حال شاعری کا بھی ہے۔ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے اِس طرح اِستفادہ کرے کہ اُس کی ذات دِیگر انسانوں ہی کے لیے نہیں، خود اِس دُنیا کے لیے بھی خیر و برکت کا باعث بن جائے۔ انسان کو جو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ایک ایسی مخلوق جو اس دُنیا کے حسن سے استفادہ ہی نہیں کرتی، اس میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ شاعری اسی حقیقت کے اِدراک اور اِحساس کا نام ہے۔ شاعری دنیا کے حسن سے استفادہ بھی کرتی ہے اور اس میں اضافہ بھی۔ یہی وہ دریچہ ہے جس سے ہم دُنیا کے حسن کا صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ سائنس نہیں جو حقائق کو دریافت کرے، یہ تو وہ شمعِ رہگذر ہے جِس کی روشنی میں حقائق خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں۔ انھیں دریافت نہیں کیا جاتا، انھیں محسوس کیا جاتا ہے۔

یہ تو عام شاعری کی بات ہوئی جِس میں شاعر زندگی کی وسعتوں اور رعنائیوں کا احاطہ کرتا ہے اور خاص شاعری وہ ہے جِس میں خاصۂ خاصانِ زندگی کی عظمتوں کے حوالے سے اِس دنیا اور اُس میں موجود زندگی کی وسعتوں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ اِسی شاعری کا دوسرا نام نعت ہے جو عام شاعری کے مقابلے پر اس لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں شاعر اپنے عہد کے تقاضوں

کو پیشِ نظر تو رکھتا ہے لیکن زمانے کا اسیر نہیں ہوتا۔ شعر میں ابدی محاسن کا فروغ نعت کی ایک بیش قیمت عطا ہے۔ عام شاعری میں ہر طرح کے انسانی جذبات کی عکاسی ملتی ہے لیکن نعت میں جذبے کی رفعت پہلی شرط ہے۔ عام شاعری میں صرف دِل کے گداز سے کام چل جاتا ہے لیکن نعت میں صفائے قلب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

نعت ایک ایسی بے مثال ہستی کے اَوصاف کا بیان ہے جسے خود خدا تعالیٰ نے رحمۃ للعٰلمین کہا ہے۔ ظاہر ہے اس بے مثال ہستی کے اوصاف کو بیان کرنے کے لیے صرف شعر گوئی کے اصول اور فنی مہارت کام نہیں آ سکتی بلکہ اُس بصارت اور بصیرت کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو صِرف اپنے موضوع کی ذات سے بے پایاں محبت ہی پیدا کر سکتی ہے۔ صنفِ سخن نعت کی تعریف کے لیے اگر صِرف ایک لفظ کا اِنتخاب کیا جائے تو وہ سوائے "محبت" کے کوئی دُوسرا لفظ نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ محبت' عام جذبۂ محبت سے بالکل مختلف ہے۔ اِس میں ایک اِنسان دُوسرے اِنسان کا صرف طلبگار نہیں ہوتا، بلکہ اپنے مطلوبؐ کے حوالے سے زندگی کے مسائل سے اس طرح آگاہی حاصل کرتا ہے کہ اپنے جیسے دُوسرے اِنسانوں کی محبت بھی اس کے دِل میں بیدار ہو جاتی ہے۔ گویا محمدؐ کا اُمتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دِل بنی نوعِ اِنساں کی محبت کا مرکز بن جائے۔

؎ یہی شعور کہ اِنسان ہے کسی کے لیے
شعورِ دیں ہے محمدؐ کے اُمتی کے لیے

جب تک دین کا یہ شعور بیدار نہ ہو محمدؐ کے اُمتیوں میں شامل ہونا ممکن نہیں۔ اور اِس شعور کے بغیر نعت بھی غزل کی طرح روایتی اور رسمی چیز بن کر رہ جاتی ہے۔

سلیم گیلانی کے مذکورہ شعر کو ان کی نعتیہ شاعری کی کلید سمجھنا چاہیے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی محبت میں سرشار ہو کر خود اپنے آپ کو یعنی انسان کو پہچاننے کی کوشش کی ہے:

؎ میں اپنے آپ کو پہچاننے آیا ہوں آقاؐ
ترا عرفان ہو تو میری ہستی معتبر ہو

اِس کوشش میں وہ اِس حد تک کامیاب رہے ہیں کہ شاعری کے کڑے سے کڑے معیار پر بھی اُن کی نعتوں کو جانچا جائے تو انھیں "معجزۂ فن" قرار دینے میں تامّل نہیں ہو سکتا۔

سلیم گیلانی کی نعت گوئی کی اوّلین خصوصیت جو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے' جذبے اور فکر کی ہم آہنگی ہے۔ صرف جذبہ ہو تو خطابت پیدا ہوتی ہے، صرف فکر ہو تو فلسفہ۔ شاعری ان دونوں کی آمیزش کا نام ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اچھی شاعری تنہا دِل یا تنہا دماغ کا کام نہیں، ان دونوں کے اشتراکِ عمل کا نتیجہ ہے۔ سلیم گیلانی کے ہاں فکر کی علویت اور جذبے کی وَلولہ انگیزی بیشتر مقامات پر یکجا نظر آتی ہیں۔ اس سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ نعتیہ شاعری فکری بلندی کے جتنے اِمکانات رکھتی ہے، وہ عام شاعری میں ممکن نہیں۔ اس کی مثال میں یُوں تو یہ پورا مجموعہ پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر مجھ سے کسی ایک نعت کی نشاندہی کرنے کے لیے کہا جائے تو مَیں مندرجہ ذیل نعت منتخب کروں گا' جو اِس مجموعے کی پہلی نعت ہے:

ترے آستاں سے پہلے کوئی آستاں نہیں تھا — وُہ زمیں تھا مَیں کہ جس کا کوئی آسماں نہیں تھا
سفرِ سما سے پہلے، ترے نقشِ پا سے پہلے — یہ تبسمِ کواکبِ سرِ کہکشاں نہیں تھا
نہ خرد کی روشنی تھی' نہ جنوں کی آگہی تھی — تری رہبری سے پہلے یہ جہاں' جہاں نہیں تھا
کئی آنسوؤں کے قلزم ترے دَر پہ بہہ چکے ہیں — غمِ دِل کا تجھ سے پہلے کوئی رازداں نہیں تھا
وہ شہِ ورائے دِیدہ' مَیں نوائے نارسیدہ — تری رحمتوں سے پہلے کوئی درمیاں نہیں تھا
تو جوازِ دو جہاں ہے' تو ہی رازِ کن فکاں ہے — تو کہاں کہاں نہیں ہے' تو کہاں کہاں نہیں تھا

ترے شہر کی ہوا سے دِل و جاں مہک رہے ہیں
مجھے بختِ نارسا پر کبھی یہ گماں نہیں تھا

یہ نعت ارضِ مقدس میں کہی گئی تھی۔ اِن سات شعروں میں گویا پوری سیرتِ مبارکہ پیش کر دی گئی ہے۔ مسلمان کے لیے شفاعت کا ذریعہ آنحضرتؐ ہی کی ذاتِ گرامی ہے اور اسی کے طفیل اس میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عنایات سے محروم نہیں رہے گا۔ اسی ذاتِ مبارکؐ کی وجہ سے اِنسان

کا مرتبہ ہر اُس بلندی تک پہنچا جس بلندی تک پہلے انسان کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ معراجِ نبوی دراصل معراجِ انسانیت ہے۔ حضورؐ کے وجودِ مسعود سے پہلے یہ دنیا گمراہی اور جہالت کا مرکز تھی۔ آپؐ ہی کی رہنمائی نے اس اندھیرے کو دُور کر کے خِرد کی روشنی اور جنوں کی آگہی کو عام کیا۔ آنحضرتؐ کی ذات کی صُورت میں مسلمانوں کو ایک ایسا ہمدرد اور غمگسار مِلا جس کے پاس اُن کے ہر دُکھ درد کا مداوا ہے اور یہی ہستی خدا اور انسان کے درمیان وسیلۂ رحمت ہے اور اس کی روشنی سے ہر جگہ اُجالا ہے۔ یہ ہستی جسے قرآنِ حکیم نے سراجِ منیر کہا ہے، اپنے نُور کی صُورت میں ہر جگہ موجُود تھی اور ہے۔ مختصر یہ کہ ان چند شعروں میں صفاتِ محمدی کا احاطہ نہایت فنکارانہ مہارت سے کیا گیا ہے۔ یہ نعت جذبے کی سچائی، فکر کی بلندی، اسلوب کی نُدرت اور کیفیت کی تقدیس کے اعتبار سے قدرِ اول کی ادبی تخلیق ہے۔ یہ سعادت صرف زورِ قلم سے حاصل نہیں ہوتی، اس کا منبع کچھ اور ہی ہے۔ اس کا احساس خود شاعر کو بھی ہے اور اسی لیے وہ اپنے کمالِ ہُنر کو عجزِ ہنر سے تعبیر کرتا ہے:

کِس کو یارا کہ کرے عرضِ ہُنر ان کے حضور
بس مِرا عجزِ ہُنر میرے نبیؐ تک پہنچے

اِس عجزِ ہُنر کی توجیہ بھی شاعر نے ایک جگہ اس طرح کی ہے:

جِس ذات کی عظمت کی کوئی حد ہی نہیں ہے
محدُود ہو کِس طرح وہ شاعر کے قلم سے

یہ بات بتکرار کہی گئی ہے کہ شاعری جذبات نگاری کا نام ہے۔ اگر اسی کو معیار بنا لیا جائے تو ارفع جذبات کی ترجمانی ارفع شاعری قرار پائے گی۔ سلیم گیلانی کے ہاں یہ ارفع جذبات کچھ یوں نظر آتے ہیں:

آپ کے در پہ کسی درد کا احساس نہ تھا
وقتِ رخصت مجھے درماں طلبی یاد آئی

پہلا مصرع سامنے کا ہے۔ تقریباً ہر نعت گو کے ہاں اِس قسم کے مصرعے مِل جائیں گے لیکن دوسرے مِصرعے کی محاکاتی کیفیت نے شعر کو عام سطحِ تغزل سے بہت بلند کر دیا ہے۔ ایک اور شعر دیکھیے، جو چیز عام شاعری میں مبالغہ کہلاتی ہے یہاں جذبِ صادق کی آئینہ دار بن گئی ہے:

درِ حضور پہ جب لفظ ساتھ چھوڑ گئے
ہم اِتنا روئے کہ اشکوں سے جالیاں بھر دیں

نعت میں آنحضرتؐ کی صفات عموماً اُنھیں کی ذات کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں، لیکن سلیم گیلانی نے آنحضرتؐ کی محبت میں سرشار اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے اُمتیوں کے حوالے سے بھی صفاتِ رسالتمآب کو بیان کیا ہے۔ ممکن ہے اس قسم کے اشعار بعض دُوسرے نعت گو شعرا کے ہاں بھی مِل جائیں، لیکن سلیم گیلانی نے جس تواتر اور ہنرمندی کے ساتھ اس مضمون کو نبھایا ہے، وہ اُنھیں سے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ اس قسم کے دو شعر سُنیے:

جو تیرے چاہنے والوں نے اپنے خوں سے لکھے
محبتوں کے وُہ عنوان بھُولتے ہی نہیں

جن کی تکبیر سے تھم جائے زمانے کا خِرام
کِس نے پیدا کیے وہ لوگ حُدی خوانوں میں

تاریخِ اسلام کے بہت سے واقعات کی طرف سلیم گیلانی نے بڑی خُوبصورتی سے اشارے کیے ہیں جن سے تعلیماتِ محمدی کے اثرات واضح ہوتے ہیں۔ یہ مرقع نگاری شاعرانہ حدُود میں رہ کر کی گئی ہے۔ شاعری کو تاریخ نگاری نہیں بنایا گیا۔

جب مرقع نگاری کی بات آتی ہے تو ذہن خود بخود شمائلِ نبیؐ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو نعت کا ایک مستقل موضوع ہے۔ آنحضرتؐ کے ظاہری جمال کے حوالے سے فارسی اور اردو میں بے مثال شعر کہے گئے ہیں، لیکن عام طور پر یہ شکایت بھی پائی جاتی ہے کہ بعض شعرا نے احتیاط سے

کام نہیں لیا اور ایسے مضمون پیش کیے ہیں جن میں ادب ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ یہ اعتراض بڑا وزنی ہے۔ اوّل تو نعت گوئی بذاتِ خود ایک مشکل فن ہے اور ہر موزوں طبع کے بس کی بات نہیں کیونکہ اس کے لیے موزونیِ طبع کے علاوہ بھی بہت کچھ درکار ہے۔ دُوسرے شمائلِ نبیؐ کے ضمن میں یہ احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے کہ کوئی صنعت ایسی بیان نہ ہو جس کا اطلاق روایتی اور مجازی محبوب پر ہو سکے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب شاعر کو اظہار پر زبردست قدرت ہو اور وہ حدودِ ادب سے پوری طرح آگاہ ہو۔ سلیم گیلانی نے اس سلسلے میں بے مثال پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ وُہ حُدودِ ادب میں رہتے ہُوئے جسمِ اطہر کا حوالہ اس طرح دیتے ہیں کہ چشمِ باطن خیرہ ہو جاتی ہے:

سینکڑوں سال کے پردوں سے چھن آتی ہے
مصحفِ رُوئے پیمبرؐ کی ضیا تو دیکھو

اِس خیال کو باندازِ دیگر اور باسلوبِ نادر انھوں نے اِس طرح پیش کیا ہے:

ندا جو آئی صفا سے تو اہلِ دل نے کہا
یہ آفتاب ذرا اور بام پر ٹھہرے

اِسی ضمن میں وہ معجزہ بھی شعرائے نعت کا محبوب ترین موضوع رہا ہے جس کے مطابق جسمِ اقدس کا سایہ نہ تھا۔ شعرائے اردو خصوصاً امیر مینائی نے اس معجزے کے حوالے سے بعض نہایت اعلیٰ درجے کے شعر لکھے ہیں۔ بظاہر نظر نہیں آتا کہ اب کوئی شاعر کوئی نیا مضمون نکال سکے۔ شاید قدرت نے یہاں بھی ایک مضمون سلیم گیلانی کے لیے بچا رکھا تھا:

کہیں وہ رنگِ عطا کا نظر نہیں آتا
جہاں میں کوئی نبیؐ سا نظر نہیں آتا

وہ رحمتیں ہیں کہ عالم تمام دستِ سوال
وہ روشنی ہے کہ سایا نظر نہیں آتا

مَیں نے سلیم گیلانی کی نعت گوئی کے بارے میں چند مختصر اشارات پیش کیے ہیں، مفصّل جائزہ اس لیے نہیں لیا کہ پورا کلام پڑھنے والوں کے سامنے ہے اور وہ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کلام جذبے کی سرشاری، فکر کی علویت، خیالات کی ندرت اور زبان کی شگفتگی کے اعتبار سے جدید اردو شاعری میں مستقل اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔

مشفق خواجہ

۹ اگست ۱۹۹۶ء

پیشوائی

فکری حضُوری کا جو سِلسلہ اِس مجموعۂ نعت میں رواں دواں نظر آتا ہے اس کا آغاز حرمین الشریفین کی حاضریوں اور حضوریوں کی ساعتوں میں ہُوا تھا۔ سیّد سلیم گیلانی کئی برسوں سے حج و زیارات کے لیے جا رہے تھے اور حضوری کی کیفیات کو قلب و رُوح میں سمو رہے تھے۔ مگر نعت گوئی کا مبارک سِلسلہ ۱۹۷۶ء کے سفرِ حج میں ہُوا۔ حُسنِ اتفاق سے مَیں ان کا شریکِ سفر تھا۔ ہر مرحلے پر وُہ میری رہنمائی کر رہے تھے۔ جب ہم مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد مِنیٰ سے مکّہ مکرمہ واپس آئے تو سوچا کہ جتنے روز ہم بلدُ الامین میں مقیم ہیں، عمرہ کی سعادت حاصل کرتے رہیں۔ ہم دونوں عمرہ کا احرام باندھنے تنعیم جا رہے تھے کہ گیلانی صاحب اچانک مجھ سے کہنے لگے "نعت کا ایک مطلع ذہن میں آ رہا ہے، دیکھیے تو کیسا ہے؟" مَیں نے فرطِ شوق سے کہا "بسم اللہ، بسم اللہ"۔ انھوں نے مطلع عطا فرمایا تو وہ ذِہن کو آسُودہ کرتا ہُوا دِل میں اُتر گیا

ترے آستاں سے پہلے کوئی آستاں نہیں تھا
وُہ زمیں تھا نہیں کہ جس کا کوئی آسماں نہیں تھا

مَیں نے مطلع سُن کر کہا "ماشاء اللہ، نہایت عُمدہ اور بلیغ ہے۔ عطا کے ان لمحات سے بھرپُور فائدہ اٹھائیے اور فوراً نعت مکمل کر لیجیے۔"

تنعیم کے مقام پر احرام باندھ کر مسجدِ عائشہ میں دو نفل ادا کرنے کے بعد، ہم بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہُوئے۔ مسجدِ حرام میں پہنچ کر بیتِ عتیق کا طواف کیا، مقامِ ابراہیم پر دو نفل ادا کیے۔ ملتزم سے لپٹ کر دعائیں کرتے رہے، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ مناسکِ عمرہ سے فارغ ہو کر پاکستان ہاؤس پہنچے تو گیلانی صاحب کچھ دیر گنگناتے رہنے کے بعد گویا ہُوئے، "نعت لکھنا تو آپ ہی کو ہوگی۔" (ان کا دایاں ہاتھ اُن دِنوں شکستہ تھا اور اس پر پلاسٹر

چڑھا ہوا تھا) ۔ میں کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا ۔ وہ اشعار لکھوانے لگے ۔ کچھ ہی دیر میں چھ اشعار کاغذ پہ منتقل ہو چکے تھے ۔ مجھے یہ شعر لکھتے ہوئے عجیب سی حیرت ہو رہی تھی جو بالآخر بے پایاں مسرت میں تبدیل ہو گئی ۔ ان کے اشعار کے مضامین نادر تھے ، اُسلوب شگفتگی اور شائستگی کا آئینہ دار تھا اور پسِ الفاظ جذبے کا والہانہ پن موجزن تھا ۔ میں نے دل سے تعریف کی ۔ چند روز بعد جب ہم فجر کے قریب شہرِ محبوب میں اُترے تو گیلانی صاحب نے اس نعت کا آخری شعر کہا

ترے شہر کی ہوا سے دل و جاں مہک رہے ہیں
مجھے بختِ نارسا پر کبھی یہ گماں نہیں تھا

مدینہ منورہ میں انہی دِنوں پاکستان ہاؤس میں میرے نہایت مشفق و محترم بزرگ حافظ سید محمد نعمان قیام پذیر تھے ۔ حافظ صاحب نہایت صاحبِ دل ، سچے عاشقِ رسُولؐ اور حال و قال کے بزرگ ہیں ۔ گیلانی صاحب سے مَیں نے اُن کا ذِکر کیا تو اُنھوں نے بھی ملاقات کا اِشتیاق ظاہر کیا ۔ چنانچہ ہم لوگ پاکستان ہاؤس پہنچے ۔ گیلانی صاحب کے نعت کے اشعار میرے ذہن میں گونج رہے تھے ، جی چاہتا تھا ایک بار پھر سُنیں ۔ چنانچہ مَیں نے فرمائش کی ۔ شعر کہنے کی حد تک تو واقعہ یہ تھا کہ گیلانی صاحب پہلے بھی ماشاء اللہ مدتوں سے شعر کہتے تھے لیکن اشعار کو باقاعدہ بحیثیت شاعر سُنانا اُن کے لیے نیا تجربہ تھا اور شاید ان کے مزاج کے خلاف بھی ۔ لیکن ہم دونوں کے اِصرار پر اُنھوں نے نعت سنائی ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حافظ سید نعمان صاحب نے سب اشعار کی بے ساختہ تعریف کی اور ان کے نئے لہجے اور انداز کی خوب خوب داد دی ۔ خاص طور پر ایک شعر بار بار سُنتے اور جھومتے رہے

وُہ شہِ ورائے دیدہ ، مَیں نوائے نارسیدہ
تری رحمتوں سے پہلے کوئی درمیاں نہیں تھا ،

مدینہ منورہ میں قیام کے تیسرے دن ہم مسجد قبا جا رہے تھے کہ مَیں نے گیلانی صاحب سے فرمائش کی کہ نعت کی کوئی زمین اگر سُوجھے تو عطا کریں ۔ اُنھوں نے چند لمحے سوچنے کے بعد یہ مصرع دیا

شاہا ! نیاز و عجزِ گدایاں قبول ہو

زمین شگفتہ اور رواں تھی ، مجھے پسند آئی ، مَیں نے ذہن میں رکھ لی ۔ ابھی قُبا کے آدھے راستے ہی میں تھے کہ گیلانی صاحب نے دُوسرا مصرع کہہ دیا اور مطلع مکمل ہو گیا

آقا ! سلام حلقہ بگوشاں قبول ہو

قُبا پہنچتے پہنچتے اُنھوں نے اس زمین میں دو اشعار اور کہہ دیے :

الفاظ ساتھ چھوڑ گئے گُنگ ہو گئے
بے ربطیِ نوائے پریشاں قبول ہو

ساری دعائیں سَیلِ تجلّی میں بہہ گئیں
لرزاں اِک اشک ہے ، سرِ مژگاں قبول ہو

شعر سُنا کر مجھے کہنے لگے کہ "اب آپ نعت مکمل کر لیجیے" ۔ مَیں نے عرض کیا کہ "جناب کسی سے زمین لے کر نعت لکھنا تو ٹھیک ہے ۔ چلیے ایک آدھ مصرعے اور ایک آدھ شعر تک بھی جائز کہہ لیجیے ، لیکن نعت کے معاملے میں اِتنا اندھیر نہیں ہو سکتا کہ مَیں آپ کے تین شعر اپنی نعت میں شامل کر لوں ، اب یہ نعت آپ خود ہی مکمل کیجیے ۔ پھر اگلے ہی روز وہ بارگاہِ نبوی میں عرض گزار تھے

اے مرجعِ ثنائے خلائق ترے نثار
میری ثنا بھی از رہِ اِحساں قبول ہو

یہ تھی سلیم گیلانی کی نعتیہ شاعری کی ابتدا ، جسے طلوعِ حضوری کہنا چاہیے

یہ صدقہ ہے اُسی دَر کا ، یہ تحفہ سبز گنبد کا
کہ دِل سے نُور پھُوٹا ہے جمالِ اسمِ احمدؐ کا

پہلے بھی کئی شاعروں نے دربارِ رسالت کی حاضری و حضوری کو نعت کا مستقل موضوع بنایا مگر اِس بیان میں کہیں جذب و شوق کی شدت ، تو کہیں نیاز و گداز کا زیادہ پاس ، کہیں دیدہ و دِل کے

مشاہدات و واردات سامنے آتے ہیں تو کہیں طلب و اِلتجا کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن سلیم گیلانی کا بیانِ حضوری ایک ایسی دھنک بن کر سامنے آیا ہے جس میں یہ تمام رنگ بے ساختگی کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور وہ تاثیر پیدا ہو گئی ہے جسے سخن کی آبرو کہتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں عشقِ رسولؐ فکری زندگی کے عملِ ارتقا میں مہمیز کا درجہ رکھتا ہے :

؎ خورشید اُبھرتے ہیں ہر اک نقشِ قدم سے　　آئینۂ ادراک ہے صیقل ترے دم سے

؎ کونین میں وہ ایک ہی رہبر ہے کہ جس کی　　تابانیِ نقشِ کفِ پا سب کے لیے ہے

؎ آسودگیِ قلب و نظر تیری عطا ہے　　تابندگیِ فکرِ رسا تجھ سے ملی ہے

وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہونے کی تیاری یُوں کرتے نظر آتے ہیں :

؎ زمزمِ عشق سے آنکھوں کا وضو لازم ہے
اِس سے پہلے کہ درِ شاہِ مدینہ آئے

پھر جب شہرِ رحمت میں پہنچتے ہیں تو کبھی "موجِ انفاسِ پیمبر سے مہکتے در و بام" اور "پرتوِ رُوے درخشاں سے منوّر گلیاں" ان کے قلب و نظر پر چھا جاتی ہیں۔ کبھی قریۂ نور کے کُوچہ و بازار کی خیر مانگتے نظر آتے ہیں۔ کبھی "مہر سامانیِ دربارِ نبیؐ" کی باتیں سنانے لگتے ہیں تو کبھی زندگی بھر کی تقصیروں کا ازالہ کرنے کے لیے اسطواناتِ مبارک سے لپٹ کر رونے کا قصد کرتے ہیں۔ جس اشک کو درِ اقدس کے پاسِ ادب سے روک لیتے ہیں اُسے اپنا زادِ سفر قرار دیتے ہیں۔ طلبِ رحمت کا بیان یُوں کرتے ہیں :

؎ کوُے اقدس کے بے نواؤں میں
طالبِ یک نظر ہے سائل ایک

؎ کھڑے ہیں مُہر بلب اُن کے آستانے پر　　اگرچہ دل میں تمنا ہزار رکھتے ہیں

؎ یہی آرزو ہے کہ زندگی کی دیارِ طیبہ میں شام ہو
پسِ مرگ بھی ترے شہر میں مری خاک ہو تری مدح خواں

سلیم گیلانی کے ہاں حاضری اور حضوری کے بیان میں بلاغت کا یہ اہتمام ہے کہ پیشِ لفظ مفہوم کے ساتھ ساتھ، ان گنت، ان کہی کیفیات بھی پسِ الفاظ نعتوں کی فضا میں ایک حسین تناظر کی طرح جھلملاتی ہوئی دیکھی جا سکتی ہیں جو شاعر کے حُسنِ ذوق اور کمالِ فن کی دلیل ہیں :

؎ وہ جالیاں، وہ دریچے، وہ منبر و محراب　　وہ در، وہ روضہ، وہ دربان بھولتے ہی نہیں

؎ تاریخ کا اِک عہد یہاں جاگ رہا ہے
وہ عہد جو سب کے لیے پیغامِ سحر ہے

؎ مَیں رفتہ و آئندہ کی دہلیز پہ بیٹھا　　تاریخ کا اک عہدِ عُلا دیکھ رہا ہُوں

؎ تری تجلّی کی چند کرنیں مَیں ساتھ بھی لے کے جا رہا ہُوں
یہ نُور وہ ہے کہ جس سے اہلِ نیاز، اہلِ نظر ہوئے ہیں

سلیم گیلانی اپنے وجدان کی رہنمائی میں اپنے ساتھ ساتھ قاری کو بھی عہدِ رسالت کے شب و روز میں لے جاتے ہیں :

؎ دیارِ طیبہ کا گوشہ گوشہ مہک رہا ہے، دمک رہا ہے
یہاں بھی وہ جلوہ گر ہوئے ہیں، وہاں بھی وہ جلوہ گر ہوئے ہیں

؎ ابھی ابھی اِنہی گلیوں سے کوئی گزرا ہے　　سنبھل سنبھل کے قدم کوُے یار میں رکھنا

ے قُبا کے پاس وہ کچا سا گھر اب تک مہکتا ہے　　جو کچھ دن کے لیے مسکن تھا انفاسِ محمّدؐ کا

ے ہر آنے والا دَور اُس عہد کو حسرت سے دیکھے گا
شب و روزِ نبیؐ جس عہد کی تقدیر میں آئے

ے جبل النُّور پہ اس بدرِ حرا کو دیکھو　　داعیٔ معتبرِ کوہِ صفا کو دیکھو
اُمِ معبد کے حسیں خواب کی تعبیر سُنو　　سیرت و صُورتِ محبُوبِ خدا کو دیکھو

"سیدنا" کے یہ چند اشعار، اُن بے شمار حرکت کرتی ہُوئی اور سانس لیتی ہُوئی تصویروں کا اشاریہ ہیں جو ہمیں عہدِ رسالت میں لے جاتی ہیں اور خیر الاعصار سے ہماری وابستگی کو مستحکم بناتی ہیں جہاں صحابۂ کرام کے جگمگاتے ہُوئے چہرے دیکھے جا سکتے ہیں۔ چند نمایاں صحابہ کرام کا تذکرہ تو گیلانی صاحب سے قبل کی نعتیہ شاعری میں بھی نظر آجاتا ہے مگر اصحابِ رسُولؐ کا تذکرہ جس تفصیل، تاریخی پس منظر، منطقی ربط اور حسن کے ساتھ سید سلیم گیلانی کی نعت میں ملتا ہے اس کی کوئی مثال کم ہی ملے گی۔ ان کے ہاں صحابۂ کرام کا اجتماعی ذکر بھی ملتا ہے اور انفرادی بھی۔ اِجتماعی ذِکر کی کچھ مثالیں دیکھیے:

ے حرمِ پاک میں وہ مسکنِ اہلِ صُفّہ
آ دا اس ہمکدۂ صدق و صفا کو دیکھو
کیسے کیسے ہُوئے پیمانِ وفا ان کے لیے
خیبر و بدر و اُحد کے شہدا کو دیکھو

ے جن کی تکبیر سے تھم جائے زمانے کا خرام　　کس نے پیدا کیے وہ لوگ حدی خواں میں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دائرۂ نُور میں بیٹھنے والے صحابۂ کرام میں سے خلفائے راشدین کے ذکرِ جلی کے بعد کچھ نجومِ اُمت کا ذِکر یُوں آتا ہے کہ ان کی شخصیت کے بنیادی اوصاف اور عشقِ رسُولؐ

کی کیفیتیں بھی سامنے آجاتی ہیں:

حضرتِ حمزہؓ کا ذِکرِ خیر ہو　　بدر کے جرار کی باتیں کریں
وہ عَلمدارِ اُحد، ابنِ عمیرؓ　　اس شبیہِ یار کی باتیں کریں
بلبلِ بستانِ پیغمبر، بلالؓ　　خادمِ سرکار کی باتیں کریں
مجتہد، حضرت معاذ ابنِ جبلؓ　　صاحبِ کردار کی باتیں کریں
جانِ استغنا، صہیبؓ ابنِ سنان　　صبر کے مینار کی باتیں کریں
جان نثارِ دین خبیبؓ ابنِ عدی　　عزم کے کہسار کی باتیں کریں
داستانِ بولبابہؓ ہو بیاں　　شانِ استغفار کی باتیں کریں
حضرتِ حسانؓ کی نعتیں سُنائیں　　شاعرِ دربار کی باتیں کریں

سلیم گیلانی تعقل پسند آدمی ہیں۔ عام زندگی میں دلائل و براہین کے بغیر کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ افتادِ طبع کی یہ خاصیت ان کی نعتوں میں اضافی حسن کا مُوجب بنی ہے۔ احسنُ الخالقین نے جس ذاتِ بابرکات کو عالمِ انسانیت کے لیے نمونۂ کمال بنا کر مبعوث فرمایا، اس کی حیاتِ طیبہ کے باہم مرٗبوط اور مستحکم ایمانی، اخلاقی اور فکری پہلوؤں کا ادراک سلیم گیلانی کے شعری تجربے کے لیے سرچشمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ اِن نعتوں کا بڑا دلکش پہلو ہے کہ ایسے اشعار میں بھی جو شاعر نے ذاتی اظہارِ التجا کے انداز میں کہے ہیں، قاری کو گویا اپنے احساسات کا پرتو ملتا ہے اور یوں شاعر کی آرزو اور اظہار ہم سب کا مشترکہ تجربہ بن جاتا ہے:

ے مری حالت پہ بھی اے رحمتِ عالم نظر ہو
سیاہ درد کا شب خُوں رُکے اِذنِ سحر ہو
مَیں اپنے آپ کو پہچاننے آیا ہُوں آقا
ترا عرفان ہو تو میری ہستی معتبر ہو

عہدِ حاضر میں ابلاغیات نے باقاعدہ ایک سائنس کی حیثیت اختیار کر لی ہے ۔ افصح العربؐ نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ابلاغیات کے شعبے میں بھی انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے ۔ سلیم گیلانی نشریات جیسے اہم اور نازک ذریعۂ ابلاغ سے وابستہ ہیں ۔ لفظوں سے ان کا رشتہ بصری سے زیادہ سمعی ہے چنانچہ انھوں نے اپنے الفاظ کو صوتی جمالیات کے بھرپور تناظر میں برتا ہے ۔ یہ بھی افصح العرب کی رہنمائی کے ادراک کا فیضان ہے ۔

لہجہ شائستہ، زباں شیریں، بیاں شیریں تر — بزمِ اصحابؓ میں اُس شمعِ ہُدیٰ کو دیکھو
ٹھہرے ٹھہرے ہُوئے الفاظ میں اظہارِ خیال — اور ہر لفظ پہ ششدر فصحاء کو دیکھو
جنّت گوش ہو پھر خطبۂ دشتِ عرفہ — اور اس آواز سے صدیوں کی جِلا کو دیکھو

سلیم گیلانی نے مدحتِ رسُولؐ کے شِعری تجربے میں لفظ کی معروضی سطح سے موضوعی سطح کی طرف شایانِ شاں سفر کیا ہے ۔ متنوع اور مترنّم بحور، مجموعی تاثیر کی توسیع میں معاون ردیفیں، متکلم قافیے، ظاہری اور باطنی آہنگ کے ساتھ متحرک الفاظ اور خیال افروز محاکات نے ان کے اظہارِ مدحت کو نہایت مؤثر بنا دیا ہے ۔

؎ منبعِ جُود و کرم، شاہِ اُممؐ — محورِ جاہ و حشم، شاہِ اُممؐ

؎ عرش اور فرش کے فاصلے مِٹ گئے، سارے ٹوٹے ہُوئے سلسلے جُڑ گئے
خلق و خالق میں اک رابطہ بن گیا، آپؐ کا نام اے سیّد المرسلینؐ

؎ اثر نصیب ہو حرفِ سخن، جو تُو چاہے
عروجِ فن ہو مرا عجزِ فن، جو تُو چاہے
مجھے سلیقہ نہیں ہے سوال کرنے کا
جو تیرا لطف ہو شاہِ زمنؐ، جو تُو چاہے

اس ضمن میں ان کی یہ نعت حسنِ بیاں کی بہترین مثال ہے :

؎ بہ حضورِ سرورِ سروراں بہ جنابِ مرسلِ مرسلاں
مری فکر عاجز و ناتواں، مرا نطق عاری و بے زباں

قدیم نعت گوئی محض عقیدے کے اظہار تک محدود تھی جو ایک مثلث کی طرح انکسار، وابستگی اور دعا کے تین زاویوں پر استوار تھی ۔ ان کے ہاں اس مثلث نے بڑھ کر ایک دائرے کی صُورت اختیار کر لی ہے جس میں سیرتِ رسُولِ کریمؐ اور عقلِ انسانی کے معلمِ اعظمؐ کی تعلیم و تربیت کے بے شمار پہلو نہایت اعتماد اور وثوق کے ساتھ بیان ہُوئے ہیں :

؎ وجُودِ ذاتِ الٰہی اسی سے ثابت ہے
کہ یہ ہمارے نبیِ کریمؐ کہتے ہیں

؎ ملی ہے دولتِ حُسنِ یقیں جنھیں تجھ سے — جَلا کے شمع سَرِ رہگذار رکھتے ہیں

؎ ذکرِ زیبائی کریں، تفسیرِ رعنائی کریں
تیرے سب پرتو سجا کر عالم آرائی کریں
گلشنِ ہستی میں اک عشقِ نبیؐ کی کہکشاں
یُوں سجائیں ہم کہ عالم کو تماشائی کریں

گیلانی صاحب کی نعتوں کا ایک جاذبِ توجہ پہلو یہ ہے کہ سارے مجموعے میں اُنھوں نے کہیں بھی اپنا تخلّص استعمال نہیں کیا ۔ نفیِ ذات کا یہ عمل استغنائے ذات کی صُورت میں نمایاں ہے اور یہی استغنا ان کی پہچان ہے ۔ یُوں بھی تخلّص شناخت کے لیے ہوتا ہے اور اُنھوں نے مدحتِ شاہِ دوجہاںؐ کی نِسبت سے اپنی شناخت واضح کر دی ہے :

ترے حضور، تری وسعتوں میں گم گشتہ
مَیں ایک سائل بے چارہ، بے نوا، بے نام
ذرہ ہُوں پہ خورشید سے ہے ربطِ تجلی
قطرہ ہُوں پہ نسبت ہے مجھے وسعتِ یم سے

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ادراک کے لیے قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ بنیادی مآخذ ہیں۔ فکر کے اِن سرچشموں سے سیراب ہُوئے بغیر اُسوۂ رسُولؐ کا عرفان ممکن نہیں۔ سلیم گیلانی نے اَپنے تخلیقی عمل میں اِن فکر افروز مآخذوں سے بھرپُور استفادہ کیا ہے:

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ لَمْ نَعْرِفْ مُقَامَاتِ الْھُدٰے
مہرِ سپہرِ ھَلْ اَتٰی، خیرالبشر، خیرالورٰے

اے تاجورِ لَوْلَاکَ لَمَا، تعبیرِ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ   کیا حُور و مَلک کیا جِنّ و بشر، دارین ترے دریوزہ گر

آنحضُور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیوضِ نبوّت زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہیں اور تمام آیندہ نسلیں بھی ان سے بہرہ مند ہوتی رہیں گی۔ کائنات کا تمام حُسن و خیر آپؐ ہی کی عطا ہے۔ عرفانِ ذات کی منزلیں آپؐ ہی کے دَم قدم سے روشن ہُوئیں اور روشن رہیں گی۔ سیّد سلیم گیلانی نے اِن موضُوعات کو جس منفرد اور اِجتہادی انداز میں پیش کیا ہے صرف اُسی کو پیشِ نظر رکھا جائے تو وہ صَفِ اوّل کے نعت نگاروں میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ جبکہ ان کی نعت میں وہ سب کچھ موجود ہے جو اعلیٰ درجے کی نعت کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ رسالتِ ابدی کی ارفعیت کا اِظہار انھوں نے کئی پہلوؤں سے کیا ہے

جُز بندیِ اوراقِ پریشاں ترا اعجاز   صد رنگی و یک رنگیِ ملّت ترے دم سے

قیدِ زماں سے ماوراء دارین پر پھیلا ہُوا   اِک رحمتوں کا سلسلہ، خیرالبشر خیرالورٰی

خمخانۂ توحید فقط اُن کے لیے تھا   کیفیتِ صہبائے دنیٰ سب کے لیے ہے

اُنھی کی روشنی سے مطلعِ عرفاں منوّر ہے
کہ جن کے دَر پہ توفیقِ حضوری حجِ اکبر ہے

حُسن جس شے میں جہاں بھی نظر آئے، اُس کو   آپؐ کا نقشِ قدم جانیے بات اتنی ہے

کتابِ حق کے رمُوز و نکات جُویا تھے
محمدِ عربیؐ جیسے ترجماں کے لیے

مختصر یہ کہ سیّد سلیم گیلانی کی نعت، شعُورِ حقیقت اور وفورِ عقیدت کا حسین اِمتزاج پیش کرتی ہے۔ اس میں غزل کی پہلوداری، قصیدے کا شکوہ، گیت کا ترنّم اور نظم کی اِمیجری سے بھرپُور فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ اس کے باوجود اُنھیں اپنی نعت کے تشنہ رہ جانے کا اِحساس ہے اور یہ احساس بہت مبارک ہے:

نبیؐ کی نعت وُہ صنفِ سخن ہے جس کے لیے
تمام حُسنِ سخن ناتمام ہوتا ہے

میری دُعا ہے کہ اُن کی یہ کاوشیں دُنیا و آخرت میں حُسنِ قبول کی سند حاصل کریں۔

حفیظ تائب

یکم ربیعُ الاوّل ۱۴۰۷ھ

سیّدنا صلی اللہ علیہ وسلم



اے خدا بہ بخشا! بہ بخشا! بہ بخشا!

و اگر مستوجبِ عقوبتم مرا روزِ محشر نابینا برخیز

تا در رُوے نیکاں شرمسار نہ باشم۔

—— حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح





حمد

ہمہ وقت لائق حمد ہے ہمہ لحظہ مُستحقِ ثنا
تو کہ ہر صفت سے ہے مُتّصف تری عظمتوں کا شمار کیا

مَیں قیودِ فہم میں مُبتلا، تُو حدودِ فہم سے ماورا
مری انتہا سے بھی ماسوا ہے شعورِ ذات کی ابتداٗ

یہ حواسِ خمسہ و عقل ہیں فقط علمِ خلق کے رہنما
تری ذاتِ عزّ و جلّ کا ان پہ قیاس ہے خلل و خطا

یہ بھی اِک کرم ہے کہ تُو نے اپنی صفات سے کیا آشنا
کبھی پردہ اُٹھتا جو ذات سے تو نہ رہتے ہوش و خرد بجا



تجھے آرزو ہے نہ جستجو، کوئی وسوسہ ہے نہ واہمہ
مَیں کہ خواہشوں کا اسیر ہوں تجھے دامِ فکر میں لاؤں کیا

تُو وجودِ خالص و محض ہے، تُو نہ ممتنع ہے نہ ممکنہ
مَیں ہُوں تیری خلق کا سلسلہ، کہا تُو نے ہو، تو میں ہو گیا

یہ ہے واقعہ کہ تری مشیّتِ کُن سے سارا جہاں بنا
یہ مشاہدہ ہے کہ جو بنا، بنا تیرے حُسن کا آئینہ

جہاں تیری حمد بیاں نہ ہو، جہاں ذکرِ پاک نہ ہو تیرا
وہ اگر ہو باغِ بہشت بھی تو نہیں ہے درخورِ اعتناء

تری ذات میرے حواسِ خمسہ کے دائرے میں نہیں تو کیا
مجھے ایک محرمِ رازؐ نے جو بتا دیا، سو بتا دیا



مری ابتدا ترا حرفِ کُن، تری ابتدا ہے نہ انتہا
میرا سلسلہ ترے حُکم سے، تُو ہے اپنا آپ ہی سلسلہ

مری عقل تابعِ فہم ہے، مری فہم کو طلبِ ھُدیٰ!
ہے ترا نبیؐ، نبیؐ ھُدیٰ، یہ ہے ربطِ بندہ و کبریا

یہ بجا کہ تیرے رسُولؐ نے ہمیں سیدھا رستہ بتا دیا
یہ حصولِ منزلِ خُلد پھر ہے ترے کرم کا معاملہ

ترے قُرب کا، تری معرفت کا فقط ہے ایک ہی راستہ
یہ صمیمِ قلب حضورِ سرورِ کائناتؐ کی اقتدا

سبھی اولیائ، سبھی اذکیائ، سبھی اصفیائ، سبھی اتقیائ
سبھی سالکینِ رہِ ھدیٰ ہیں ترے نبیؐ کے نقوشِ پا



تُو وہ ذات ہے جو رحیم ہے وہ بھی مطلقاً و بِفَہما
یہ غرض نہیں کسے کم دیا، یا بہت دیا، یا نہیں دیا

مری عقل میں وہی بات سچ ہے جو ہے مطابقِ واقعہ
تری ذات جو کہے صدق ہے وہی واقعہ ہے جو کہہ دیا

تو ہے صدق و کذب سے ماوراء کہ تُو حق ہے تابعِ حق نہیں
تُو ہے وہ کہ تُو نے جو کہہ دیا، وہی سچ ہُوا وہی حق ہُوا

یہ نہیں کہ پہلے سے فیصلہ تھا حَسین یہ ہے قبیح یہ
کوئی چیز اچھی ہے یا بُری یہ ترے ہی حُکم سے طے ہُوا

جسے حُسن تُو کہے حُسن ہے جسے قُبح تو کہے قُبح ہے
جسے خیر کہہ دیا خیر ہے جسے شر کہا وُہی شر ہُوا



تُو وہ ذات جس کے تمام قول و عمل مشیّتِ معتبر
ہے کسے مجال جو کہہ سکے کہ یہ کیوں ہُوا، کہ یہ کیا ہُوا

تُو کہے جو آگ کو سرد ہو تو وہ رشکِ باغِ جناں بنے
تُو جو حُکم دے تو عصائے موسیٰؑ ہو ایک آن میں اژدھا

کوئی ڈوبنے لگا نیل میں تو صدائے صدق بُلند کی
یہ جو تُو نہ مانا تُو کفر اپنی جگہ وہیں کا وہیں رہا

کئی اہلِ کُفر کہیں گے حشر میں، تُو بھی تیرا نبیؐ بھی حق
مگر اس بیان کے بعد بھی وہ رہیں گے مستحقِ سزا

جو کہا کسی نے ترے نبیؐ کو نبیؐ ہے حق تو تھا عینِ حق
یہ جو تُو نے کہہ دیا کذب ہے تو وہ کذب ہو گیا سر بہ پا



جو تھی ایک کُونرے کی باتؑ یُوسفؑ اور اُنکے بھائی کے درمیاں
اُسے عقل کہتی ہے افترا و لے تُو نے جانا اُسے روا

تُو وہ ہے کہ جس کی کسی بھی بات پہ بحث ہے نہ سوال ہے
جہاں آپ اصلِ اصُول ہو، وہاں چُونِ چرا کی مجال کیا

یہی ایک چھوٹی سی بات سمجھا نہیں وہ منکرِ اُسجُدُوْ
وہ الہٰ کیا جو کسی بھی طے شدہ ضابطے میں اُلجھ گیا

یہی شان تیرے نبیؐ کی ہے جو اُنہوں نے کہہ دیا صدق ہے
اِدھر اُن کے ہونٹوں سے لفظ نکلا اُدھر بعینہٖ سچ ہُوا

تُو ہے خالقِ ہمہ جزو و کل، تُو ہے مُرسلِ کُتب و رُسُل
ترے حُکم ہی سے مُطاعِ مُطلقِ خلق احمدِؐ مجتبےٰ



ترے در کی راہیں بہت سُنیں پہ صراطِ مستقیم ایک ہے
وہی رہ جو تُو نے بتائی یعنی رہِ محمدِؐ مُصطفےٰ

جو ترے رسولؐ کی پیروی کو شعارِ زیست بنا سکے
تو یہ بہترینِ خلائق اپنی بُلندیوں سے ہو آشنا

ترا اختیار بسیط ہے، ترا اقتدار محُیط ہے
ترا جبر و قدر کہ مَا تَشَآ ترا فیض و فضل کہ مَنْ تَشَآ

مرے عیش و غم، مرے زیر و بم، مرے کیف و کم پہ ہے تُو حَکَم
تو غیاب میں بھی قِدَم، اَتَم، میں حضور میں بھی عدم نُما

مرے جسم و جاں مرے این و آں تیری مملکت، تیری ملکیّت
نہ کوئی طلب، نہ کوئی گلہ، جو تری خوشی جو ترِی رضا



ہے نفس نفس تری آرزو، ہے قدم قدم تری جستجو
ترے ذکر سے مری آبرو، تری فکر سے ہے مری جِلا!

مری زندگی کا سفر فقط تری رحمتوں کی تلاش ہے
تری رحمتیں ہیں کہ شش جہت سے پکارتی ہے بیا بیا

جہاں بات ضبط سے بڑھ گئی، جہاں دِل سے آہ نکل گئی
وہیں سائبانِ کرم کھُلا، وہیں رحمتوں کی اُٹھی گھٹا

تجھے پایا شانِ شہود میں، تُو مِلا دِلوں کی کشود میں
نہ قیام میں، نہ قعود میں، نہ سجود میں، نہ سرِ دعا

مری خوبیاں، مری نیکیاں، نہ شمار میں نہ قطار میں
جو تری جناب سے مِل گیا وہی میرا زادِ سفر ہُوا



مری بندگی تو بجا کہ لائقِ بندگی تُو ہی ایک ہے
یہ ترا کرم مرے حال پر ہے عطائے محض کا سلسلہ

مری زندگی، مری بندگی، تری کائنات کی دُھول ہے
یہ شرف ہے حُسنِ قبول ہے کہ بنا دیا مُجھے کیا سے کیا

تری شان، شانِ ربوبیت، مری شان عجزِ عبودیت
نہ ترے کمال کی انتہا، نہ مرے کمال کی انتہا

ہے گرفت تیری شدید اگر، تو مری گرفت شدید تر
دو جہاں ہیں جس کی گرفت میں اُسے میں نے دِل میں بٹھا رکھا

مجھے دِل دیا کہ میں مان لُوں، مجھے عقل دی کہ میں جان لُوں
کہ نظامِ ارض و سما میں تیرا شریک کوئی نہ ہے نہ تھا



تری ذات وحدتِ مُستقِم ، جو نہ ہو سکے کبھی مُنقسم !
ترے جیسا کوئی کہیں نہیں تُو ہے اپنا آپ ہی آئینہ

تُو ہی اک حقیقتِ مُستقل ، تُو ہی ایک وحدتِ واقعی
جسے ایک کہتے ہیں ہم یہاں کئی جُزو سے ہے بنا ہوا

نہیں کائنات میں کوئی شے ترے جیسی واحد والاحد
اسی واسطے ترے نام سے ہے ہر ایک چیز کی ابتدا

تُو ہے ظاہر ایسا کہ تیری ذات سے پردہ اُٹھتا نہیں کبھی
تُو وہ مُحتجب کہ ہر ایک ذرّے میں مرتعش ہے تری ضیاء

وہ خبیر جس کی خبر نہیں متحمّلِ غلط و صحیح
تُو وہ حیئ جس کو نہیں ہے حرکت و حس سے دُور کا واسطہ



وہ سمیع تُو کہ جو ایک چیونٹی کی عرض سُنتا ہے عرش پر
وہ بصیر جس کی نظر میں سب ہے ، درونِ سینہ و برملا

کبھی شعر و نغمہ و رنگ میں ، کبھی موجوں کی ترنگ میں
سفرِ حیات میں چار سُو ترا حُسن جلوہ نما رہا

تُو علیم ہے ، تُو حکیم ہے ، تُو عظیم ہے ، تُو قدیم ہے
ترا قول حق ، ترا دین حق ، تُو ہی عینِ حق ، تُو ہی حق نما

تُو وہ مُحتسب جو رحیم ہے ، تو وہ منتقم جو کریم ہے
تُو جلال میں بھی جمیل ہے تُو عتاب میں بھی گرہ کُشا

کوئی ذات ایسی نہیں جو تجھ سے زیادہ حسبِ مزاج ہو
تُو جو غم بھی دے تو کرم کی سارے تجھی سے کرتے ہیں التجا



کسی حسن میں یہ صفت نہیں کہ صفت کی حد ہی نہ ہو کوئی
تُو ہی ہے کہ جس کی صفات میں نہیں احتمالِ مبالغہ

کوئی شے نہیں کہ وجودِ جس کا ہو تیری ذات سے منسلک
ترے امر ہی سے ہر ابتدا، ترے حکم ہی سے ہر انتہا

تُو وہ ہے کہ جس کیلئے ازل بھی، ابد بھی صیغۂ حال ہیں
بیک آن سارے زمانے تیرے لئے ہیں حال کا سلسلہ

وہ نہیں ہے تُو کہ ترے کمال کو احتمالِ زوال ہو
تُو ہی تو وہ ذاتِ قدیم ہے وہی ہے جو ہے وہی ہے جو تھا

یہاں جس کی جتنی صفات ہیں وہ بہم دگر متضاد ہیں
پہ تیری صفاتِ قدیم میں نہیں ضد کا کوئی بھی شائبہ



یہ ہے تیری قدرتِ کاملہ کہ مراد ارادے کے ساتھ ہے
تری ذات احکم حاکمیں ہے جو کہہ دیا وہی ہو گیا

تُو کہ ہر وسیلے سے بے نیاز ہے، ہر ذریعے سے ہے غنی!
ترے فعل ارادے سے منسلک ہیں، جو چاہا تُو نے وہ ہو گیا

یہ نشیب ہے وہ فراز ہے، یہ سفید ہے وہ سیاہ ہے
کوئی قدرِ مشترک ان میں ہے تو وہ تیری حکمتِ کاملہ

ترا ذکر خلق سے ماوراء، کسی اور سطح کی بات ہے
یہاں ممکنات کی بندشیں، وہاں کچھ نہیں ہے ترے سوا



میں بیاں تو کرتا ہوں وصف تیرے کہ مجھ کو ذکر کا حکم ہے
یہ زباں میں اتنی سکت کہاں کہ ہو اک صفت کا بھی حق ادا

کسی غم کی غایتِ ظاہری تو ہمارے اپنے گناہ ہیں
مگر اُس کی غایتِ باطنی ہے تری توجہ، تری عطاء

تُو نے کائنات بنائی ہے، یہ ہے اس کی علّتِ فاعلی
مگر اس کی علّتِ غائی کیا ہے یہ راز میں نہیں جانتا

کوئی عرش پر ہو کہ فرش پر یا ہو عرش و فرش کے درمیاں
تری روشنی میں گندھا ہُوا، تری مصلحت سے بندھا ہُوا

تری ملکیت ہمہ بحر و بر، یہ شجر حجر، یہ گُل و ثمر
تو ہی کائنات کا چارہ گر، میں جو ہُوں تو کیا، میں نہ ہوں تو کیا



یہ فضائے محفلِ آب و گِل ہے دلیل تیری صفات کی
یہ ہوائے گلشنِ جسم و جاں، تیری رحمتوں کا ہے آئینہ

وَتفکّرُو، وَتدبّرُو، تیرا حُکم عالمِ کون میں
پہ میں نارسا تری کائنات کی وسعتوں کو نہ پا سکا

یہ حیاتِ ارضی کی خودنمائی و خودستائی سراب ہے
یہاں معتبر ہے فقط وہی جو ہے ماوراء سے جُڑا ہُوا

میں خیال و وہم و گمان ہُوں، تو ہے اک صداقتِ لم یزل
تُو ہی ایک حکمتِ واقعی، تو ہی اک حقیقتِ ماوراء

تری ذات جانِ وجود ہے، تری شان شانِ شہود ہے
جہاں دیکھئے وہاں تُو ہی تُو، یہاں اور کیا ہے ترے سوا



تُو نہاں ہے جو مہرِ ذات میں، تُو عیاں ہے اپنی صفات میں
اِسی وصل و فصل کے درمیاں جسے مِل گیا، اُسے مِل گیا

ترا اذن میرا وجود ہے، ترا لُطف تابِ نمو مجھے
میں تو ایک مُشتِ غبار تھا کہیں بے نشان پڑا ہُوا

یہ کرم ترا مرے حال پر، یہ عنایتیں یہ نوازشیں
رہوں سجدہ ریز جو عُمر بھر تو بھی حقِّ شُکر نہ ہو ادا

تری کائنات میں جو بھی ہے ترے حُکم سے ہے مرے لئے
میں بشر ہوں میرا شرف یہ ہے کہ میں صرف تیرے لئے بنا



میں جیوں تو صرف ترے لئے میں مروں تو صرف ترے لئے
یہی رُوح ہے مرے دین کی، نہ رہی تو پھر مرا کیا رہا

تری ذاتِ پاک کی بندگی، نبیٔ کریمؐ کی پیروی
یہی میرا حاصلِ زندگی، یہی میرا زادِ رہِ بقا

مری قربتیں، مری چاہتیں مری ہو کے بھی نہ مری رہیں
تُو جو میری آنکھ سے دُور تھا، کبھی ایک پل نہ جُدا ہُوا

کسی شے کو قرب نہیں کسی سے ہے جتنا مجھ سے قریب تُو
یہاں تک کہ خود مری ذات کو بھی نہیں ہے اتنا مرا پتہ

تُو حجاب بھی ہے ظہور بھی، تو عیاں بھی بینُ السطور بھی
تُو ہے پاس بھی تو ہے دُور بھی کہاں پاؤں تجھکو تو ہی بتا



رگِ جاں سے بھی تُو قریب ہے یہ ہے تیرا قُربِ تصرّفی
ترا بُعد ذات کا بُعد ہے، جو ہر ایک ذات سے ہے جُدا

ترا قُرب راحتِ قلب و جاں، ترا بُعد اندوہِ بیکراں
رہے تُو ہی تُو مرے سامنے نظر آئے کوئی نہ ماسوا

اِسی اعتماد پہ کٹ رہا ہے سفر کہ تُو مرے ساتھ ہے
تری رحمتوں کا یقیں نہ ہو تو حیاتِ فانی ہے اِک سزا

کبھی ایک پل کیلئے بھی مجھ کو نہ چھوڑنا مرے حال پر
نہیں میرا کوئی ترے بنا، کوئی در نہیں ہے ترے سوا

مُجھے اختیار دیا ہے تو مجھے اُس کے شر سے بھی دُور رکھ
وہی راہ مُجھ کو دکھا کہ سایہ فگن ہو جس پہ کرم تیرا



ترے ذکر و فکر میں، تیرے حُکم کی پیروی میں جو کٹ سکے
تو تری عنایتِ خاص سے مری زندگی ہو خود آشنا!

ہو نظر شہادتِ دینِ حق، ہو عمل اقامتِ دینِ حق
دِل و جاں امانتِ دینِ حق، اب و جد فدائے شہِ وراؐ

ہیں نوشتہ پہلے سے عیش و غم تو نہیں ہے کوئی مجھے اَلم
مری تقویت، مری تربیت، کہ تری رضا ہے مری رضا

مرا دین دُنیا سے منسلک، مری دُنیا دین سے منسلک
یہ ہیں کون لوگ جو کہہ رہے ہیں کہ دین دُنیا سے ہے جُدا

جنہیں الکتاب کا درس ہے جو غلامِ خیرِ انامؐ ہیں
اُنہیں احتیاج نہیں کہ کوئی سکھائے زیست کا فلسفہ



بشری علوم کی رہبری تو سدا محلِ نظر رہی
جو ترے نبیؐ نے سبق دیا وہ صداقتوں کا امیں رہا

وہ جو محض عقل کو مانتے تھے حَکَم وہ رہ سے بھٹک گئے
وہ بھی گُم جنہوں نے ہدایتِ تتفکّرو سے حذر کیا

جنہیں تُو نے سُورۂ کافِرُون میں کہہ دیا تھا کہ غیر ہیں
وہی آج ہم کو سکھا رہے ہیں ہمارا فکر و عمل ہو کیا

ہے غضب مسائلِ دیں میں بھی وہی معتبر، وہی مستند
جو نہیں ہیں واقفِ لاالٰہ جو نہیں ہیں قائلِ مُصطفےٰؐ

مری اپنی قوم کے دیدہ ور بھی فریب خوردۂ غرب ہیں
کسی غزنوی کا ظہور ہو، کوئی انقلاب ہو رُونما



کوئی نعمت ایسی نہیں جہاں میں جو تُو نے ہم کو عطا نہ کی
تری رحمتوں کے جو مستحق نہ رہے تو جو تھا گنوا دیا

نہ عمل نہ ذوقِ مُسابقت، نہ بہم خلوص و موانست
نبیؐ معلّم عقل سے جو سبق پڑھا تھا، بھُلا دیا

نہ وہ ولولہ ہے نہ جوش ہے، نہ ہی گردوپیش کا ہوش ہے
نہ یقیں نہ شوق، نہ جستجو، نہ تلاشِ معنیٔ لاالٰہ

بڑی کسمپرسی کا دور ہے بڑی ابتلا کا مقام ہے
کوئی روشنی، کوئی راستہ، کوئی معجزہ، مرے داورا

یہ نہ ہو ہماری یہ بے کسی، کسی سانحے کی وعید ہو
یہ نہ ہو کہ خیرِ اُمم ہو دشتِ عمل میں آہوئے خستہ پا

ہمیں پھر عمل کا سبق پڑھا، ہمیں پھر یقین کا درس دے
گو وحی کا سلسلہ بند ہے، تری رحمتیں تو ہیں جاریہ

یہ نہ ہو کہ وقت کی رو ہمیں کہیں راستے ہی میں چھوڑ دے
یہ نہ ہو کہ عہدِ بقا میں تیرے ہی نام لیوا ہوں نارسا

اگر آج اُمّتِ مُسلمہ ہے رہینِ منّتِ دیگراں
تو ترے کرم سے یہ پھر بنے گی تمام خلق کی رہنما

ہے دُعا کہ اُمّتِ مُسلمہ کا زوال رُو بہ زوال ہو
اُسے پھر عطا ہو وُہی کمال، وُہی شرف جو اُسی کا تھا

ہے دُعا کہ ظلمت و نور کی تگ و دو میں نور کی فتح ہو
وہی آفتاب طلوع ہو جو کرن کرن بنے رہنما

مرے روز و شب کو نبیؐ کے اُسوۂ کاملہ کا مطیع کر
ہے یہی سبیل کہ مٹ سکے مرے قول و فعل کا فاصلہ

مُجھے وہ حضوریٔ قلب دے کہ تری صفات میں گُم رہوں
نہ کسی سے کوئی غرض رکھوں، نہ کسی کو دیکھوں ترے سوا

مرا زادِ راہ قلیل ہے، مری فردِ جُرم طویل ہے
نہ جواز ہے نہ دلیل ہے ترے عفوِ محض کا آسرا

مری سمت رحم کی کر نظر، مرا حرفِ توبہ قبول کر
مری شرمساری کی لاج رکھ، تجھے تیرے نام کا واسطہ





ترے آستاں سے پہلے کوئی آستاں نہیں تھا
وُہ زمیں تھا مَیں کہ جِس کا کوئی آسماں نہیں تھا

سفرِ سما سے پہلے ، ترے نقشِ پا سے پہلے
یہ تبسّمِ کواکب ، سرِ کہکشاں نہیں تھا

نہ خِرد کی روشنی تھی ، نہ جنوں کی آگہی تھی
تری رہبری سے پہلے یہ جہاں جہاں نہیں تھا

کئی آنسوؤں کے قلزم ترے در پہ بہ چکے ہیں
غمِ دل کا تجھ سے پہلے کوئی رازداں نہیں تھا



وُہ شہِ ورائے دِیدہ ، مَیں نوائے نارسیدہ
تری رحمتوں سے پہلے کوئی درمیاں نہیں تھا

تُو جوازِ دو جہاں ہے ، تُو ہی رازِ کن فکاں ہے
تو کہاں کہاں نہیں ہے ، تو کہاں کہاں نہیں تھا

ترے شہر کی ہَوا سے دل و جاں مہک رہے ہیں
مجھے بختِ نارسا پر کبھی یہ گماں نہیں تھا

مکۃ مکرمۃ
اکتوبر ۱۹۷۶ء





شاہا نیاز و عجزِ گدایاں قبول ہو
آقا سلام حلقہ بگوشاں قبول ہو

الفاظ ساتھ چھوڑ گئے ، گُنگ ہو گئے
بے ربطیِ نوائے پریشاں قبول ہو

میں ایک واہمہ سہی اِس بزمِ قدس میں
پھر بھی یہ حاضری شہِ شاہاں قبول ہو

شبنم سا ایک قطرۂ ناچیز ہُوں مگر
شوقِ جمالِ نیّرِ تاباں قبول ہو



اِتنا کرم تو مُجھ سے سمیٹا نہ جائے گا
یہ انفعالِ تنگیِ داماں قبول ہو

ساری دُعائیں سیلِ تجلّی میں بہہ گئیں
لرزاں اِک اشک ہے سرِ مژگاں قبول ہو

اے مرجعِ ثنائے خلائق ترے نثار
میری ثنا بھی از رہِ احساں قبول ہو

رخصت تو ہو رہا ہُوں تری بارگاہ سے
لُطفِ دگر کی خواہشِ پنہاں قبول ہو

مدینہ منورہ
١٩٧٦ء





مہرِ سامانیِ دربارِ نبیؐ یاد آئی ،
درد کو لذّتِ درماں طلبی یاد آئی

علم کو صحبتِ اُمّی لقبی یاد آئی
نُور کو بخششِ ماہِ عربی یاد آئی

جَبَل النُّور سے جب مہرِ رسالت ابھرا
قرنہا قرن کی تاریک شبی یاد آئی

چاند تاروں سے سجی جب بھی بساطِ افلاک
بزمِ اصحابِ رسُولِ عربی یاد آئی



رحمتِ کُل کی گھٹائیں جو گُہر بار ہُوئیں
رُوحِ پژمردہ کو اِک پیاس دبی یاد آئی

ہو رہی تھی مرے اعمال کی پُرسش کہ مجھے
نِسبتِ ہاشمی و مُطّلبی یاد آئی

آپؐ کے در پہ کسی درد کا احساس تھا
وقتِ رخصت مجھے درماں طلبی یاد آئی

لاہور
اکتوبر ۱۹۷۶ء





جب بصارت کو بصیرت کا قرینہ آئے
تب نظر خاکِ مضافاتِ مدینہ آئے

آپؐ کی چشمِ عنایت ہو تو اے نورِ مبیں،
بحرِ ظلمات میں موجوں کا سفینہ آئے

پرتوِ سطوتِ معبود ہیں محبوبِ خدا
عابد ایسے کہ فرشتوں کو پسینہ آئے

عرش پر شاہدِ آیاتِ الٰہی ٹھہرے
فرش پر بن کے ہدایت کا خزینہ آئے

اُن کے افکار ہمیں اہلِ خرد سے پہنچے
اُن کے انوار ہمیں سینہ بہ سینہ آئے



زمزمِ عشق سے آنکھوں کا وضو لازم ہے
اِس سے پہلے کہ درِ شاہِ مدینہ آئے

سامنے آیا ہے اِس شان سے مینارِ حرم
جیسے افلاک پہ لے جانے کا زینہ آئے

پھر غبارِ رہِ طیبہ سے جبیں روشن ہو
پھر وہ رُت، پھر وہ گھڑی، پھر وہ مہینہ آئے

شاہِ شاہاں مجھے پھر اذنِ حضوری مل جائے
لذّتِ صبح ملے، لطفِ شبینہ آئے

لاہور
جنوری ۱۹۷۹ء





مَیں نے دیکھی ہیں مدینے کی معطّر گلیاں

روشِ گلشنِ فردوس کی ہمسر گلیاں

مَوجِ انفاسِ پیمبرؐ سے مہکتے در و بام

پَرتوِ رُوے درخشاں سے منوّر گلیاں

ہر طرف عطر فشاں حسنِ عقیدت کے گلاب

اور اَدب گاہِ خلائق یہ مطہّر گلیاں

ابھی اِن راہوں سے گزرا ہے کوئی رشکِ بہار

ذرّے خورشید بداماں ہیں معنبر گلیاں

مسکنِ جانِ دو عالم ہے دیارِ طیبہ

ورنہ دنیا میں کہاں ایسی موقّر گلیاں



ہدیۂ قلب و نظر، نذرِ صلوٰۃ و تسلیم

ہر قدم غایتِ تعظیم کا مظہر گلیاں

بادِ رحمت میں مہکتے ہُوئے گُلہائے درُود

ان کے سائے میں محبّت کا سمندر گلیاں

اُن کے اخلاقِ جمیلہ کا گماں ہوتا ہے

پیش کرتی ہیں مروّت کے وہ منظر گلیاں

مرجعِ دل زدگاں، محضرِ صاحب نظراں

گردشِ ماہ و کواکب کی یہ محور گلیاں

جھولیاں بھر کے چلے آتے ہیں سب شاہ و گدا

غایتِ لطف و عنایات کا پیکر گلیاں



قلب پُرنور ہُوئے اور جبینیں روشن
آ گئیں جِن کو مدینے کی میسّر گلیاں

ایک اِک گوشہ ہے اس شہر کا ایماں افروز
یہ دریچے، یہ عمارات، یہ گھر، در، گلیاں

پھر مجُھے دولتِ انوارِ مدینہ مل جائے
پھر نظر آئیں وہ گنجِ زر و گوہر گلیاں

اسلام آباد
نومبر ۱۹۸۲ء





اُس ایک ذات میں سب دِل نوازیاں بھر دیں
خدا نے آپؐ میں اپنی نشانیاں بھر دیں

وہ مُسکرائے تو رنگوں سے وادیاں بھر دیں
نظر اٹھائی تو پھُولوں سے ڈالیاں بھر دیں

ہم ایسے مفلس و نادار پر نہیں موقوف
کرم ہُوا تو زمانے کی جھولیاں بھر دیں

وُہ ابر جِس سے ہُوئیں ساری کھیتیاں سیراب
جِدھر برس گیا دانوں سے بالیاں بھر دیں



یہ اُنؐ کی سیرتِ کامل کا فیض ہے جس نے
خمیرِ آدمِ خاکی میں بجلیاں بھر دیں

درِ حضورؐ پہ جب لفظ ساتھ چھوڑ گئے
ہم اتنا روئے کہ اشکوں سے جالیاں بھر دیں

سجا کے فکر میں شائستگی، نظر میں غنا
مزاجِ زیست میں کیا خوش ادائیاں بھر دیں

اسلام آباد
جولائی سنہ ۱۹۸۲ء





زیست یخ بستہ تھی تاریک نہاں خانوں میں
اک کرن پھوٹی اُجالا ہُوا ایوانوں میں

زہر آلود فضائیں تھیں نمو سے عاری
آپ آئے تو بہار آگئی ویرانوں میں

خلوتِ غارِ حرا سے جو شعاعیں پھوٹیں
ظلمتیں چھپ گئیں گھبرا کے صنم خانوں میں

آپؐ کی ذات سے جو عظمتیں وابستہ ہیں
زندگی میں کہیں دیکھی ہیں نہ افسانوں میں



جن کی تکبیر سے تھم جائے زمانے کا خرام
کِس نے پَیدا کیے وُہ لوگ حُدی خوانوں میں

کِس نے اللہ سے ٹُوٹا ہُوا رِشتہ جوڑا
اُن سا مُحسن نہ فرشتوں میں نہ انسانوں میں

پُرسشِ حشر قیامت تھی پہ لِلّٰہ الحمد
مِل گیا نام مِرا آپؐ کے پروانوں میں

صاحبِ شانِ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ، اُنظرُ
مَیں بھی ہُوں آپؐ کے بے نام ثنا خوانوں میں

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۲ء





سادگی وہ کہ تب و تاب فِداصلِّ علیٰ
فَقر پر عالَمِ اسباب فِداصلِّ علیٰ

آفتاب اُن کے درِ فیض پہ انوارطلب
اُن کی چوکھٹ پہ ہے مہتاب فِداصلِّ علیٰ

اُس چٹائی پہ کہ تھی مَسندِ شاہِ دوجہاں
ریشم و اطلس و کمخواب فِداصلِّ علیٰ

جان و دِل اُن کے لیے جن کی صداقت پہ ہوئے
ان گنت یاسِرؓ و خبابؓ فِداصلِّ علیٰ



اُن کی رفتار پہ قربان ستاروں کا خرام
مَوجۂ قُلزمِ بے تاب فِدا صلِّ علیٰ

حُسنِ کردار کے اغیار بھی قائل تھے مگر
اُن کی ہر بات پہ احباب فِدا صلِّ علیٰ

اُن کے ہر فعل پہ مفہومِ عبادت قرباں
حُرمتِ منبر و محراب فِدا صَلِّ علیٰ

اِسلام آباد
فروری سنہ ۱۹۸۳ء





میرا ایماں بھی وہی، حاصلِ ایماں بھی وہی
میرا قرآں بھی وہی، شارحِ قرآں بھی وہی

میرا سائیں، مرا صاحب، مرا پُرساں بھی وہی
میرا وِجداں، مرا ایقاں، مرا فُرقاں بھی وہی

جاں وہی، رُوح وہی، دِل وہی، ارماں بھی وہی
کیفِ ہجراں بھی وہی، لذّتِ درماں بھی وہی

دیں وہی، دِین کا عرفاں وہی، بُرہاں بھی وہی
اشرفُ الخلق وہی، پرتوِ یزداں بھی وہی



مطلعِ صبحِ ازل، محورِ دَوراں بھی وہی
شافعِ روزِ جزا بھی وہی، میزاں بھی وہی

حُسنِ پیدا بھی وہی، جوہرِ پنہاں بھی وہی
سرحدِ عقل وہی، سدرۂ امکاں بھی وہی

ابرِ باراں بھی وہی، مہرِ درخشاں بھی وہی
حاصلِ کشت بھی وُہ، خرمنِ دہقاں بھی وہی

ہادیِ جنّ و مَلک، محسنِ انساں بھی وہی
منزلِ زیست وہی، زیست کا ساماں بھی وہی



صِدقِ مریمؑ بھی وہی نازشِ کنعاں بھی وہی
زورِ موسیٰؑ بھی وہی، فخرِ سلیماںؑ بھی وہی

طَلَبِ عشق وہی، جلوۂ جاناں بھی وہی
شوقِ بے پایاں وہی، لطفِ فراواں بھی وہی

آج بھی سلسلۂ فیضِ نظر قائم ہے
اور میرا گلۂ تنگیِ داماں بھی وہی

اسلام آباد
فروری ۱۹۸۲ء





اے بُرجِ رسالت کے نیّر، اے حاملِ اقلیمِ داوَر

تُو عشق کی نظروں کا محور، تُو عقل کی راہوں کا رہبر

کوثر میں دُھلی تیری باتیں، خوشبو میں دُھلا تیرا پیکر

اے جانِ جہاں تیری ہستی کونین کے ماتھے کا جھومر

اے مونسِ ہر قلبِ مضطر، اے چارہ گرِ ہر دیدۂ تر

اِدبار کی جلتی دھوپ میں تیری ذات اِک سایہ دار شجر

اے فخرِ بشر معراج تری تاروں کا سفر، گردوں پہ گزر

معراج مری بس طیبہ کے دیوار و در پر ایک نظر

اے تاجورِ لَوْلَاكَ لَمَا، تعبیرِ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ

کیا حور و ملک کیا جن و بشر، دارین ترے دریوزہ گر



ہر سانس حیاتِ اطہر کا تفسیرِ رضائے ربانی

سیرت ہے تری انساں پہ کھلے قرآن کے در عرفان کے

تُو وہ ہے کہ تیرے نور سے سینۂ مومن رشکِ طور بنا

تُو وہ ہے کہ تیری خاکِ کفِ پا سُرمۂ دیدۂ اہلِ نظر

ہر حال میں بحرِ صدق و صفا، ہر رنگ میں مخزنِ جود و سخا

غربت میں بھی تُو سائل پرور، عسرت میں بھی تُو آسودہ نظر

تُو خسروِ کشورِ علم و یقیں، تُو صبحِ زماں، تُو جبینِ زمیں

توفیقِ ثنا بھی تیری عطا، اے مدح و ثنا سے بالاتر

لاہور

مارچ سنہ ۱۹۸۰ء





جب وُہ چاند نہ اُبھرا تھا
کتنا گھور اندھیرا تھا

پورن ماشی کا چندا
پہلی رات کا لگتا تھا

صُبح کے چڑھتے سُورج پر
شام کا دھوکا ہوتا تھا

راہیں کِتنی وِیراں تھیں
جیون کِتنا سُونا تھا



آنکھیں جاگتی رہتی تھیں
پر دِل سویا سویا تھا

پنچھی گاتے تھے لیکن،
شاخوں پر سنّاٹا تھا

دریا طوفاں طوفاں تھے
ساحل دریا دریا تھا

رِم جھم برکھا ہوتی تھی
پھر بھی اِنساں پیاسا تھا

اِسلام آباد
جولائی سنہ ۱۹۸۲ء





تڑپ رہا ہوں ترے سنگِ آستاں کے لیے
کرم، کرم کہ تو رحمت ہے دو جہاں کے لیے

تو رحمتوں کی بشارت ہے عاصیاں کے لیے
نویدِ کوثر و تسنیم تشنگاں کے لیے

دلیلِ احسنِ تقویم تیری ذاتِ کریم
ہے تو ہی آخری معیار اِنس و جاں کے لیے

کتابِ حق کے رموز و نکات جویا تھے
محمدِ عربی جیسے ترجماں کے لیے



نبیؐ کا نام سُنا اور آنکھ بھر آئی
اِشارہ چاہیے اب تو دلِ تپاں کے لیے

ثنائے خواجہؐ بہ توفیقِ مُرسلِ خواجہؐ
"سفینہ چاہیے اِس بحرِ بیکراں کے لیے"

اب اپنے قُرب کا مجھ کو شرف عطا کیجے
یہ دُوریاں تو قیامت ہیں قلب و جاں کے لیے

اسلام آباد
جنوری سنہ ۱۹۸۳ء





قافلے کو بہ کو ہیں منزل ایک — زندگی یم بہ یم ہے ساحل ایک

بزمِ انجم میں ماہِ کامل ایک — سب ہیں پروانے شمعِ محفل ایک

افضل الخلق ، فخرِ موجودات — کامل و اکمل و مکمل ایک

حق نے دی اپنی آب و تاب جسے — آئینہ ہے وہی مقابل ایک

ہر ستارہ ہے پرتوِ انوار — منبعِ نور، مہرِ کامل ایک



انبیاء ایک لاکھ چند ہزار — اور اِس سلسلے کا حاصل ایک

رہبری کر گیا زمانوں کی — صاحبِ فکر، صاحبِ دل ایک

آپ کے دم قدم سے قائم ہے — خیر اور شر میں حدِّ فاصل ایک

کوُئے اقدس کے بے نواؤں میں
طالبِ یک نظر ہے سائل ایک

لاہور
ستمبر ۱۹۷۹ء





خورشید ابھرتے ہیں ہر اک نقشِ قدم سے
آئینۂ ادراک ہے صیقل ترے دم سے

تو وہ ہے کہ ہم کو تری عظمت کی شہادت
قرآن سے ملتی ہے کبھی لوح و قلم سے

سرمستیٔ پیمانۂ عرفاں ترا احساں
کیفیتِ صہبائے حرم تیرے کرم سے

جز بندیٔ اوراقِ پریشاں ترا اعجاز
صد رنگیٔ و یک رنگیٔ ملت ترے دم سے



مفہوم کو الفاظ دیے ربِ علا نے
الفاظ کو مفہوم ملا تیرے کرم سے

گو غم کا تصور ہی نہیں تھا ترے در پر
کچھ اشک تھے ایسے جو رکے ہی نہیں ہم سے

دل میں ہے کوئی آس تبھی تو سرِ محشر
نظریں ہیں کہ ہٹتی ہی نہیں تیرے علم سے

ذرہ ہوں پہ خورشید سے ہے ربطِ تجلی
قطرہ ہوں پہ نسبت ہے مجھے وسعتِ یم سے

اسلام آباد مارچ ۱۹۸۱ء





جب آنکھ کھلے گنبدِ خضرا پہ نظر ہو
ایسے ہی گزر جائے اگر عمرِ خضرؑ ہو

ہر شام درِ شاہِ مدینہؐ پہ بسر ہو
ہر صبح یہی مطلعِ انوارِ سحر ہو

طَیبہ کا سَفرِ زیست میں سَو بار اگر ہو
اللہ کرے بارِ دگر، بارِ دگر ہو

اِک بار مقدّر مجھے اُس شہر میں لے جائے
پھر وُہ دَرِ رحمت ہو مرا دینؔ تہ ہو



اظہارِ تمنّا بھی ہو اِظہارِ الم بھی
ہر سانس میں تکریم، مگر مدِّ نظر ہو

اُس لمحۂ اقدس کو دل و جاں میں بسا لوں
جو اُن کے حضور اُن کی ارادت میں بسر ہو

اِک سائلِ بے نام ترے در پہ کھڑا ہے
اے رحمتِ کونینؐ، عنایت کی نظر ہو

اسلام آباد
مئی سنہ ۱۹۸۲ء





تمام عُمر اگرچہ کڑے سفر میں رہی
نبیؐ کی ذاتِ گرامی مری نظر میں رہی

سوادِ کُفر نے کیا کیا ستم کیے لیکن
گُہر کی آب گُہر میں جو تھی گُہر میں رہی

تری لگن ہی مری زندگی کا ساماں ہے
اِسی سے طاقتِ پرواز بال و پَر میں رہی



ترے حضُور کبھی دِل کی آرزُو آئی
چھلک اُٹھی بھی تو آغوشِ چشمِ تر میں رہی

ترے کرم سے کھُلا مجھ پہ وُہ درِ رحمت
کہ جِس سے ایک تجلّی سی سارے گھر میں رہی

اِسلام آباد فروری ۱۹۸۳ء





رحمتِ غفّار کی باتیں کریں   احمدِ مختار کی باتیں کریں

کاشفِ اَسرار کی باتیں کریں   سیّدِ ابرارؐ کی باتیں کریں

خوبیٔ گفتار کی باتیں کریں   شوخیٔ رفتار کی باتیں کریں

مل گیا ہے پھر ہمیں اذنِ ثنا   طالعِ بیدار کی باتیں کریں

اُمِّ معبدؓ کی زباں سے آج ہم   لذّتِ دیدار کی باتیں کریں

اُس قدِ رعنا کے افسانے سنائیں   زلفِ عنبر بار کی باتیں کریں



جس سے پائی ہے گلوں نے تازگی   اُس گلِ رخسار کی باتیں کریں

مشک و عنبر سی وہ خوشبوئے بدن   آہوئے تاتار کی باتیں کریں

سرمگیں آنکھوں کی تفسیریں سنائیں   نرگسِ بیدار کی باتیں کریں

پھر بیانِ سیرِ ہفت افلاک ہو   برق پا رہوار کی باتیں کریں

فیض سے جن کے جہاں روشن ہوا   پھر انہی افکار کی باتیں کریں

رحمتِ عالم، شفیعِ بے کساں   مونس و غمخوار کی باتیں کریں



وہ نبیؐ ہیں اور وہ اصحابِؓ کرام
محفلِ انوار کی باتیں کریں

سلسلہ در سلسلہ لطف و عطا
ابرِ گوہر بار کی باتیں کریں

فرشِ مسجد پر ستاروں کا ہجوم
شوکتِ دربار کی باتیں کریں

نور کے اِک دائرے کا ذِکر ہو
نقطۂ پرکار کی باتیں کریں

افضل المخلوق، بعد الانبیاء
صدقِ یارِ غارؓ کی باتیں کریں

مانگ کر جس کو لیا اللہ سے
دیں کے اُس معمار کی باتیں کریں



اُس کا تقویٰ، اُس کا علم، اُس کا عمل
عدل کے معیار کی باتیں کریں

آؤ ذو النورینؓ کی نسبت سے آج
طاعت و ایثار کی باتیں کریں

علم کے بابِؓ عطا کا ہو بیاں
حیدرِؓ کرار کی باتیں کریں

حضرتِ حمزہ کا ذکرِ خیر ہو
بدر کے جرار کی باتیں کریں

کفر کی یلغار کے قصے کہیں
ہاشمی تلوار کی باتیں کریں

وہ علمدارِ اُحد، ابنِ عمیرؓ
اُس شبیہِ یار کی باتیں کریں



بُلبُلِ بُستانِ پیغمبرؐ، بلالؓ — خادمِ سرکار کی باتیں کریں

مُجتہد، حضرت معاذ ابنِ جبلؓ — صاحبِ کردار کی باتیں کریں

کُشتۂ سوزِ دُرونِ آگہی — بُوذرؓ سرشار کی باتیں کریں

جانِ استغنا صُہیبؓ ابنِ سناں — صبر کے مینار کی باتیں کریں

پھر ابُوجندلؓ کی زنجیریں سنیں — پھر اُسی جھنکار کی باتیں کریں

شِعبِ بُوطالب میں جو گزری کہیں — جذبۂ احرار کی باتیں کریں



ذکرِ زیدؓ ابنِ دثنہؓ ہو یہاں — امتحانِ دار کی باتیں کریں

جاں نثارِ دیں، خُبیبؓ ابنِ عدیؓ — عزم کے کہسار کی باتیں کریں

قیسؓ بن عاصم کا چھیڑیں تذکرہ — ارقمؓ دیں دار کی باتیں کریں

پھر ضمامؓ نجد کے عنوان سے — جرأتِ اظہار کی باتیں کریں

صاحبِ تسلیم، عمروؓ ابنِ جموحؓ — سیدالانصارؓ کی باتیں کریں

حضرتِ سلمانؓ توقیرِ عجم — قلزمِ زخّار کی باتیں کریں



جاءہ الاعمیٰ کے پس منظر میں آج
دیدۂ بیدار کی باتیں کریں

ذکر ہو عثمانؓ بن مظعون کا
خلد کے حقدار کی باتیں کریں

داستانِ بولبابہؓ ہو بیاں
شانِ استغفار کی باتیں کریں

زید ابنِ حارثہؓ کا نام لیں
یاسرؓ و عمارؓ کی باتیں کریں

سعدؓ، خالدؓ، عکرمہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ
ہر دُرِ شہوار کی باتیں کریں

حنظلہؓ، خبابؓ، ابنِ اُمِ عبدؓ
جعفرِ طیارؓ کی باتیں کریں



مہبطِ انوارِ دیں، ابنِ سلامؓ
علم کے گلزار کی باتیں کریں

حضرتِ حسانؓ کی نعتیں سنائیں
شاعرِ دربار کی باتیں کریں

زید بن ارقمؓ، براؓ، اسعدؓ سعیدؓ
مجلسِ ابرار کی باتیں کریں

ہجرتِ طیبہ کا ذکرِ اذکار ہو
دعوتِ انصار کی باتیں کریں

ہو ابوایوبؓ انصاری کا ذکر
میزبانِ یار کی باتیں کریں

ذکرِ طیبہ سے زباں گل ریز ہو
قریۂ گلبار کی باتیں کریں



پھر گُلِ تخییل ہو عنبر فشاں — شہرِ خُلد آثار کی باتیں کریں

جن کے سائے رحمتوں کی چھاؤں ہیں — اُن در و دیوار کی باتیں کریں

درہم و دینار کے عُنواں بُھلائیں — عِشق کے بازار کی باتیں کریں

سنگِ میل اُس کے شہیدوں کے عَلَم — کُوچۂ دلدار کی باتیں کریں

پھر نبیِّ پاک ﷺ پر بھیجیں درُود
قافلہ سالار کی باتیں کریں

لاہور
جنوری سنہ ۱۹۸۳ء



دیکھو تو یہ کِس شہرِ محبّت کا سفر ہے
خوشبوئے وفا مطلعِ دامانِ نظر ہے

دل ذہن سے آگے ہے، قدم، پیشِ نظر ہے
رنگوں میں نہائی ہوئی ہر راہ گزر ہے

طَیبہ کی فضاؤں میں بھی نیساں کا اثر ہے
جِس قلب کو چُھو جائیں وہی لعل و گُہر ہے

انفاسِ پیمبر ﷺ سے مہکتی ہوئی گلیاں
انوارِ رسالت سے ہر اک ذرّہ قمر ہے



تاریخ کا اِک عہد یہاں جاگ رہا ہے

وُہ عہد جو سب کے لیے پیغامِ سحر ہے

ہر سانس معطّر ہے دُرودِ شہِ دیںؐ سے

ہر لفظِ مناجات مثالِ گُلِ تر ہے

کیفیتِ صہبائے حرم کیسے بیاں ہو

سیراب ہیں دل اور طلب بارِ دگر ہے

اے گنبدِ خضرا دل و جاں تجھ پہ نچھاور

کیا عکس نما سلسلۂ تارِ نظر ہے



جو پاسِ ادب میں درِ اقدس پہ نہ چھلکا

وہ اشک بہ ہر گام مرا زادِ سفر ہے

جسؐ بار سے جبریلؑ کے شہپر بھی تھے لرزاں

وُہ حرفِ حِراؐ تیرے غلاموں کی سپر ہے

اسلام آباد

مئی سنہ ۱۹۸۲ء





عقیدتوں کے، محبّت کے باب اور بھی ہیں

کہ پرتوِ شہِ گردوں رکاب اور بھی ہیں

نبیؐ کے جادۂ پُرنور پر چلو تو سہی،

قدم قدم پہ نئے آفتاب اور بھی ہیں

شرف یہ ہے کہ محمّدؐ کے نام لیوا ہیں

وگرنہ دَہر میں اہلِ کتاب اور بھی ہیں

مدینہ سامنے ہے، اہلِ قافلہ مسرور

یہ میرے دل میں کئی اضطراب اور بھی ہیں



جوازِ کُن فیکُوں ہیں، حبیبِ حق ہیں مگر

ہم اہلِ فقر میں اُن کے خطاب اور بھی ہیں

یہ وُہ گھٹا ہے جسے حشر تک برسنا ہے

وُہ داستاں ہے ابھی جس کے باب اور بھی ہیں

ردائے مہر و مہ و کہکشاں کے پردے میں

تجلّیاتِ رسالت مآب اور بھی ہیں

خدا نے اُن کی شفاعت پہ مجھ کو بخش دیا

عدو کہا کیے، اِس کے حساب اور بھی ہیں،

اِسلام آباد

جنوری ۱۹۸۴ء





ہیں وقف اُن کے لیے، اب مآل جو بھی ہو
وفورِ ہجر، سُرورِ وصال، جو بھی ہو

درِ کریم ہے کہ دو ملال جو بھی ہو،
مقام بذل و سخا ہے، سوال جو بھی ہو

انھیں کے نُور کا پرتَو تمام حُسن و جمال
انھیں کا نقشِ کفِ پا، کمال جو بھی ہو



اُنھیں کا عشق سکھاتا ہے عظمتوں کے رُموز
شکیبِ بُوذرؓ و عزمِ بلالؓ، جو بھی ہو

چلو کہ نذر کریں اُن کے آستانے پر
سرشکِ غم، عرقِ انفعال، جو بھی ہو

اسلام آباد
جنوری ۱۹۸۴ء





خداوندا یہ عمرِ چند روزہ یُوں بسر ہو
کہ اُن کا دَر ہو، سنگِ آستاں ہو، میرا سَر ہو

مری حالت پہ بھی اے رحمتِؐ عالم نظر ہو
سیاہ درد کا شب خُوں رُکے ، اِذنِ سحر ہو

فصیلِ آگہی پر جہل کی پھر یورشیں ہیں
تمھیں سے اِلتجا ہے یا نبیؐ تم چارہ گر ہو



فضاؤں میں پھر پرے اُڑ رہے ہیں ظلمتوں کے
اِدھر بھی رحمتوں کی چند کرنوں کا گزر ہو

حصارِ ذات میں بیٹھا ہوا ہوں پا بہ جولاں
انا کا سحر ٹوٹے تو یہ عالم مختصر ہو

مَیں اپنے آپ کو پہچاننے آیا ہوں آقاؐ
تِرا عرفان ہو تو میری ہستی معتبر ہو

اسلام آباد جنوری سنہ ۱۹۸۴ء





بہ حضورِ سرورِ سروراں، بہ جنابِ مرسلِ مرسلاں

مری فکر عاجز و ناتواں، مرا نطق عاری و بے زباں

پئے مدحِ خواجۂ خواجگاں، لغتِ بشر میں سکت کہاں

کبھی اشک لفظوں میں ڈھل سکیں تو ہوں وارداتِ دلی بیاں

وہ ہدایتِ ہمہ انس و جاں، وہ قیادتِ ہمہ کارواں

وہ شفاعتِ ہمہ عاصیاں، وہ سکوں کا ساحلِ بیکراں

نہ طریق و رسمِ سکندری، نہ شعارِ دارا و قیصری،

مگر ایک فقرِ پیمبری، کہ نثار سطوتِ سروراں



وہ عطائے ربِّ جلیل ہیں، وہ کمالِ حق کی دلیل ہیں

وہ جمالِ دلبرِ دلبراں، وہ جلالِ خسروِ خسرواں

وہی پاسبانِ حرم بھی ہیں، وہی شاہِ ملکِ ارم بھی ہیں

وہی شانِ خیرِ امم بھی ہیں، وہی جانِ عالمِ قدسیاں

وہ یقین و علم کی تازگی، وہ دل و نظر کی کشادگی

وہ فراز و شوکتِ بندگی، وہ جوازِ حاصلِ کن فکاں،

وہ حبیبِ ربِّ قدیر ہیں، دو جہاں کے بدرِ منیر ہیں

وہ بشیر ہیں، وہ نذیر ہیں، وہی چارہ سازِ غمِ نہاں



یہ چُبھن کہ آپ سے دُور ہوں مری زندگی کی کسک رہی

یہ لگن کہ آپ کے پاس ہوں رہی خونِ دل میں رواں دواں

یہی آرزو ہے کہ زندگی کی دیارِ طیبہ میں شام ہو

پسِ مرگ بھی ترے شہر میں مری خاک ہو تری مدح خواں

ترے ذکر و فکر سے یا نبیؐ مری زندگی کی ہر اک گھڑی

کبھی نور ہے کبھی رنگ ہے کبھی پھول ہے کبھی کہکشاں

(مِنیٰ)

اگست ۱۹۸۵ء





منبعِ جود و کرم سر تا قدم — محورِ جاہ و حشم سر تا قدم

بے نواؤں کا بھرم سر تا قدم — چارہ سازِ چشمِ نم سر تا قدم

ہر زماں ہے آپ کا سکّہ رواں — ہر مکاں میں وہ حَکَم سر تا قدم

رونقِ بزمِ دو عالم آپؐ سے — شمعِ فانوسِ حرم سر تا قدم

دیکھ کر اُس قد و قامت کا جمال — منفعل سروِ اِرم سر تا قدم



ہم ہیں ان کے فیض سے خیرالامم
اور وُہ شاہِ اُمم ، سر تا قدم

آگہی اُن کے گداوں کا شرف
روشنی زائد نہ کم ، سر تا قدم

ہر تعلّی ، ہر تجلّی ، ہر جمال
ذات میں اُنکی بہم سر تا قدم

وقف ہوں ان کی غلامی کے لیے
اُنکے قدموں کی قسم ، سر تا قدم

اسلام آباد — جنوری ۱۹۸۴ء





کبھی زخمِ دِل کا سجا لیا، کبھی کوئی اشک بہا لیا
یہی حال تھا مرا روز و شب کہ کسی نے در پہ بُلا لیا

وہ جو بارِ ہجر تھا ٹل گیا، مَیں غریبِ شہر سنبھل گیا
ترے شہرِ خُلد صفات میں مرا بوجھ کس نے اُٹھا لیا

تری رحمتوں کے جوار میں، تری عاطفت کے حصار میں
مَیں گناہ گار پہنچ گیا، کوئی کام آیا دِیا لیا

مَیں مثالِ کاہ تھا راہ میں، مَیں گھرا ہُوا تھا گناہ میں
تری بزمِ چرخ پناہ میں مجھے کس نے پاس بٹھا لیا



میں اُڑا تھا غم کے غبار میں، میں تہی تھا فصلِ بہار میں
ترے نُور نور دیار میں میرا درد کس نے بٹا لیا

مرے ہم نفس مرے ہمنوا مجھے پُوچھتے ہیں کہ کیا کیا
غمِ ہجر کی شبِ تار میں یہ چراغ کیسے جلا لیا

مرے مقتدا مرے پیشوا کُھلا ہے بابِ لُطفِ عمیم وا
یہ تو سائلوں کا نصیب ہے کہ درِ حضُور سے کیا لیا

اسلام آباد
جنوری سنہ ۱۹۸۳ء





رہبرِ کامل ہادیٔ دوراں صلّی اللہ علیہ وسلّم
اُن کی محبّت حاصلِ ایماں صلّی اللہ علیہ وسلّم

لُطف و عطا کے پیکرِ اطہر، جُود و سخا کے مہرِ منوّر
اُن کی رضا خوشنودیٔ یزداں صلّی اللہ علیہ وسلّم

علمِ مجسّم، عقلِ مسلّم، عدلِ منظّم، خُلقِ معظّم
حاکمِ محکم، محسنِ انساں صلّی اللہ علیہ وسلّم

احسن و اسلم، اکمل و اعظم، اشرف و اکرم، سیّدِ عالم
مرسلِ خاتم، حاملِ قرآں صلّی اللہ علیہ وسلّم



واقف اُن سے غارِ حرا ہے، شاہد اُن کا کوہِ صفا ہے

صدق و صفا کے ماہِ درخشاں، صلّی اللہ علیہ وسلّم

جنّ و بشر پر اُن کا کرم ہے، حور و ملک پر اُن کی عطا ہے

کون و مکاں پر اُن کے احساں، صلّی اللہ علیہ وسلّم

اُن کی ہدایت نور کا جادہ، اُن کی اطاعت نور کی منزل

اور اِس راہ کے نیّرِ تاباں، صلّی اللہ علیہ وسلّم

لاہور
جنوری سنہ ۱۹۸۳ء





یہ دُنیا ہے یہاں جور و ستم ہوتے ہی رہتے ہیں

یہ طیبہ ہے یہاں لطف و کرم ہوتے ہی رہتے ہیں

درودِ قدسیاں بھی ہے، سلامِ عاصیاں بھی ہے

درِ آقا پہ بیش و کم بہم ہوتے ہی رہتے ہیں

ملائک بھی یہاں دریوزہ گر ہیں جنّ و انساں بھی

کرم کا آستانہ ہے کرم ہوتے ہی رہتے ہیں



خیابانِ مدینہ کی بہاریں جاودانی ہیں
کہ ذرّاتِ حرم اشکوں سے نم ہوتے ہی رہتے ہیں

کبھی لفظوں کے پیکر میں کبھی اشکوں کی صورت میں
درود اُن کے لیے پیہم رقم ہوتے ہی رہتے ہیں

اسلام آباد
جنوری سنہ ۱۹۸۲ء



خزاں میں تیرے گلشن کی دمک کچھ اور بڑھتی ہے
لہک سبزے کی، لالے کی تپک کچھ اور بڑھتی ہے

تو وہ بحرِ معانی جس کے معنیٰ روز افزوں ہیں
وہ گوہر وقت سے جس کی ڈلک کچھ اور بڑھتی ہے

گھٹائیں کفر کی جب یم بہ یم گھر گھر کے آتی ہیں
تو خورشیدِ رسالت کی چمک کچھ اور بڑھتی ہے



ترے انوار کی جب چھوٹ پڑتی ہے گلستاں پر
مہک غنچوں کی کلیوں کی چٹک کچھ اور بڑھتی ہے

کبھی تو چین آجاتا ہے طیبہ کے تصوّر سے
کبھی دل کی کھٹک، دل کی کسک کچھ اور بڑھتی ہے

اسلام آباد
فروری ۱۹۸۲ء





دینار کا سائل ہوں نہ درہم کا طلبگار
میں لطفِ شہنشاہِ دو عالم کا طلبگار

اک بندۂ عاجز درِ رحمت پہ کھڑا ہے
اک قلزمِ زخّار سے شبنم کا طلبگار

تسلیم کمالِ دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا
پر میں نگہِ مونس و ہمدم کا طلبگار

مجھ خاکی و خاطی کی طلب چیز ہی کیا ہے
خود نور ہے اُس نورِ مجسّم کا طلبگار

وہ کیفِ حضوری، وہ مرے اشکِ فراواں
پھر دیدۂ ویراں ہے اُسی نم کا طلبگار



ہر درد کا درماں تری رحمت مرے آقا
ہر زخم مرا تجھ سے ہی مرہم کا طلبگار

محتاج و غنی سب ہیں ترے در کے سوالی
عالم ہے تری رحمتِ پیہم کا طلبگار

مَیں کل بھی ترے درد کو پھرتا تھا سجائے
مَیں آج بھی ہر دم ہوں ترے غم کا طلبگار

راولپنڈی

اکتوبر ۱۹۷۶ء



دیکھ لو محورِ انوار تمام آج کی رات
محفلِ خاص میں ہے جلوۂ عام آج کی رات

اُن کا حُسن، اُن کی ضیا، اُن کی ثنا، اُن کی عطا
اُنکا نام، اُنکا پیام، اُنکا کلام آج کی رات

ہفت افلاک میں مہکے ہوئے گلہائے درود
ہیں فضاؤں میں ملائک کے سلام آج کی رات



ہر طرف عطر فشاں عشق و ارادت کے گلاب

ہر طرف جلوہ کناں حسنِ تمام آج کی رات

محفلِ ساقیٔ کوثر ہے اُٹھو بادہ کشو!

دیکھو خالی نہ رہے ایک بھی جام آج کی رات

کراچی

دسمبر ۱۹۸۲ء



ہم وُہ مہجُور کہ دُوری کے سِتم سہتے ہیں

رشک اُن پر جو سدا تیرے قریں رہتے ہیں

دیکھ لیں آ کے مدینے میں جمالِ مطلوب

طُور پہ جا کے جو رَبِّ اَرِنی کہتے ہیں

پھرتے رہتے ہیں نگاہوں میں در و بامِ حرم

ہم جہاں بھی ہوں خیالات وہیں رہتے ہیں



چند آنسو تو چھلک جاتے ہیں آقاؐ کے حضور،

لاکھ قلزم ہیں جو پلکوں سے پرے بہتے ہیں

اس سے بڑھ کر کوئی اعزاز بھلا کیا ہو گا

کہ مجھے حلقہ بگوشِ شہِ دیںؐ کہتے ہیں

کُرۂ ارض کا گہنا ہے مدینے کی زمیںؐ

یہ وُہ بستی ہے جہاں میرے نبیؐ رہتے ہیں

لاہور
دسمبر ۱۹۰۸ء





دین و دُنیا میں ہمارا تو سہارا تُو ہے
اور اَوروں کو مُبارک ہوں ہمارا تُو ہے

گلشنِ ہست میں دیکھوں کہ سرِ عرشِ بریں
ہر جگہ جانِ جہاں انجمن آرا تُو ہے

پھر کوئی ربِّ دو عالم کا مخاطب نہ ہُوا
قلزمِ وحیِ الٰہی کا کنارا تُو ہے

کِسی سیّارے کی گردش مری تقدیر نہیں
میری قسمت کا فلک تاب ستارا تُو ہے

معتبر تیری اطاعت سے قلم و دِل کی
جان سے مال سے اَولاد سے پیارا تُو ہے



ظلمتِ فکر میں بھٹکے ہوئے انساں کے لیے   ازازل تا بہ ابد نور کا دھارا تو ہے

راندۂ بزم نہ واپس کبھی آئے لیکن   راہ گم کردہ کو جنت کا اشارا تو ہے

بات چل نکلی تو پھر دور نکل جائے گی

مختصر یہ کہ دو عالم کا سہارا تو ہے

اسلام آباد
ستمبر ۱۹۸۲ء





خشوعِ قلب سے جب اُن کا نام لیتے ہیں

رحیلِ وقت کی رفتار تھام لیتے ہیں

کسے خیالِ تقاضا، کسے مجالِ صدا

وہاں تو سانس بہ صد احترام لیتے ہیں

اُس آستانۂ عالی پہ لب کشائی کیا

بس آنسوؤں سے حکایت کا کام لیتے ہیں



ہم اہلِ دل ہی نہیں ، اہلِ عقل و دانش بھی
پڑے جو وقت تو اُن کا ہی نام لیتے ہیں

مہ و نجوم، صبا، کاروانِ ابر، سبھی
درِ حضورؐ سے اذنِ خرام لیتے ہیں

لاہور
مارچ ۱۹۸۲ء




وُہ دِل جو عشقِ محمدؐ سے رُوشناس نہیں
کتابِ جہل ہے جس کی کوئی اساس نہیں

مقامِ احمدِ مُرسَل سے جو نہیں واقف
قسم خدا کی وُہ بندہ خُداشناس نہیں

خدا کے بعد ہر اِک التجا اُنہیں سے ہے
اور اُن کے بعد کسی سے بھی اِلتماس نہیں

اُس آستانۂ رحمت سے لَو لگائے رہو
وُہ در نہیں تو کہیں سے بھی کوئی آس نہیں



کچھ اس طرح سے بسایا ہے دل میں طیبہ کو
کہ ہجر میں بھی طبیعت مری اداس نہیں

درِ حضور کی رونق میں ایک لمحے کو
مجھے کچھ ایسے لگا جیسے کوئی پاس نہیں

مَیں بزمِ ساقئ کوثر سے پی کے آیا ہوں
حسابِ حشر تک اب اور کوئی پیاس نہیں

اسلام آباد
اگست ۱۹۸۲ء





ہم اُن کو لطف و کرم کا سحاب کہتے ہیں — تجلّیاتِ الٰہی کا باب کہتے ہیں
اُنہی کے نور سے روشن ہے جادۂ ہستی — اُنہی کی ذات کو عکسِ کتاب کہتے ہیں
اُنہی پہ ختم ہوا سلسلہ نبوّت کا — اُنہی کو شافعِ روزِ حساب کہتے ہیں
رُخِ حیات کا ہر زاویہ چمک اُٹھا — یہ رہبری ہے، اِسے انقلاب کہتے ہیں
دُعا جو اُن کی وساطت سے عرش پر پہنچے — ہم اہلِ عشق اُسے مستجاب کہتے ہیں



وجودِ ذاتِ الٰہی اسی سے ثابت ہے — کہ یہ ہمارے رسالتمآب کہتے ہیں

نبیؐ کے حکم کی تعمیل تو بڑی شے ہے — ہم اُن کے ذکر کو عینِ ثواب کہتے ہیں

جو لفظ بھی شہِ اُمّی لقبؐ نے فرمایا — اُسے زمان و مکاں کا نصاب کہتے ہیں

جو اُنکی خاکِ کفِ پا کا جزو بن جائے

ہم اُس کو ذرہ نہیں آفتاب کہتے ہیں

لاہور

اکتوبر ۱۹۸۲ء





رُوح میں اُن کی محبّت کو بسا تو دیکھو

راہ میں اُن کی دل و جاں کو لُٹا تو دیکھو

اِک نظر سے یہاں تقدیر بدل جاتی ہے

حالِ دل اپنا ذرا اُن کو سُنا تو دیکھو

سینکڑوں سال کے پردوں سے چھنی آتی ہے

مصحفِ رُوئے پیمبرؐ کی ضیا تو دیکھو

جگمگاتے ہوئے، ہنستے ہوئے الفاظ اُن کے

رس گھلا جاتا ہے کانوں میں، نوا تو دیکھو



روئے خنداں ہے کہ اک شمع ہدایت روشن
لوگ کھنچتے چلے آتے ہیں عطا تو دیکھو

چال ایسی کہ زمیں ساتھ لپٹتی جائے
گل کھلے جاتے ہیں نقشِ کفِ پا تو دیکھو

بوئے گل، رنگِ چمن طلعتِ ماہ و انجم
کس کا پرتو ہیں ذرا پردہ اٹھا تو دیکھو

اسلام آباد

جون سنہ ۱۹۸۲ء





جہاں وظیفۂ خیر الانام ہوتا ہے
عنایتوں کا وہاں اہتمام ہوتا ہے

دیارِ سرورِ عالم ہے وہ جہانِ عطا
کہ فیضِ عام یہاں صبح و شام ہوتا ہے

خدا کا خاص کرم ہو تو باریابی ہو
وگرنہ دل میں تو طیبہ مدام ہوتا ہے

نبی کا شہر وقارِ بشر کا ہے ضامن
غلام بھی یہاں گردوں مقام ہوتا ہے



فرازِ عرش سے ہوتا ہے رحمتوں کا نزول
جہاں نبیؐ پہ درود و سلام ہوتا ہے

میں کیوں کسی سے کوئی آسرا رکھوں کہ مرا
درِ حضورؐ سے سب انتظام ہوتا ہے

نبیؐ کی نعت وہ صنفِ سخن ہے جس کے لیے
تمام حسنِ سخن نا تمام ہوتا ہے

اسلام آباد — نومبر ۱۹۸۲ء





ستارے یوں تو ہزاروں تھے روشنی کے لیے
طلوعِ مہر ہوا صبحِ آگہی کے لیے

خدا کا حکم کہ ہر شے ہے آدمی کے لیے
نبیؐ کا درس کہ انساں بھی ہے کسی کے لیے

یہی شعور کہ انسان ہے کسی کے لیے
شعورِ دیں ہے محمدؐ کے امتی کے لیے

وہ مشرقی کے لیے ہیں نہ مغربی کے لیے
کرم سبھی کے لیے ہیں عطا سبھی کے لیے



برادری سے زیادہ وہ اجنبی کے لیے
وہ خیرِ خلق سبھی کی سلامتی کے لیے

وُہ مبتدی کے لیے ہیں، نہ منتہی کے لیے
ضیا سبھی کے لیے ہیں سخا سبھی کے لیے

وُہ راحتوں کا خزانہ ہیں ہر دُکھی کے لیے
وہ رحمتوں کا اُجالا ہیں یاوری کے لیے

محبّتوں کے لیے، ربطِ باہمی کے لیے
وُہ رہبری کے لیے ہیں وُہ سروری کے لیے



وہ تازگی کے لیے ہیں، شگفتگی کے لیے
وہ سیلِ رنگ زمانوں کی سرخوشی کے لیے

نجاتِ اُخروی و فوزِ دُنیوی کے لیے
وہ ایک نُور کا جادہ ہیں ہر کسی کے لیے

اب آگے لاج مری تیرے ہاتھ ہے آقا
پہنچ گیا ہُوں ترے در پہ حاضری کے لیے

لاہور
مئی ۱۹۷۰ء





اِس سے پہلے کہ درِ شاہِ ورا کو دیکھو — کُرۂ ارض پہ جنّت کی فضا کو دیکھو

دِل کی آنکھوں سے شہِ ارض و سما کو دیکھو — حاملِ وحیِ خدا ، صلِّ علیٰ کو دیکھو

رحمتِ کُل کی گہربار گھٹا کو دیکھو — کالی کملی میں چھُپے نُورِ خُدا کو دیکھو

جبلُ النّور پہ اُس بدرِ حرا کو دیکھو — داعیِ مُعتبرِ کوہِ صفا کو دیکھو

اُسکے عزم ، اُسکے یقیں، اُسکی نوا کو دیکھو — نفسِ مضموں کو سُنو، طرزِ ادا کو دیکھو

مَولدِ وحی کی اُس آب و ہوا کو دیکھو — نخلِ توحید کی اِس نشو و نما کو دیکھو

محفلِ قُدس میں بیٹھے رُفقا کو دیکھو — چاند کے حالے میں تاروں کی ضیا کو دیکھو

شہرِ مکّہ سے وُہ ہجرت کا سفر یاد کرو — خلوتِ ثور میں اُس ماہ لِقا کو دیکھو





اُمِّ معبد کے حسیں خواب کی تعبیر سُنو — سیرت و صُورتِ محبُوبِ خدا کو دیکھو

اُسکی شان، اُسکا کمال، اُسکا جمال، اُسکا جلال — اُس کی ہر بات کو اِک ایک ادا کو دیکھو

زیرِ لب اُس کے تبسّم کا دِلآویز انداز — سُرمگیں آنکھوں میں آثارِ حیا کو دیکھو

درمیاں شانوں کے وہ مُہرِ نبوّت کا نشاں — مصحفِ رُخ پہ رسالت کی ضیا کو دیکھو

لہجہ شائستہ، زباں شیریں، بیاں شیریں تر — بزمِ اصحاب میں اُس شمعِ ہُدیٰ کو دیکھو

ٹھہرے ٹھہرے ہُوئے الفاظ میں اظہارِ خیال — اور ہر لفظ پہ ششدر فُصحا کو دیکھو

اُسکا علم، اُسکا عمل، اُسکا حسب، اُسکا نسب — اُسکے حلم، اُسکے شرف، اُسکی عطا کو دیکھو

اُسکا دیں خُلقِ عظیم، اُس کی شریعت احساں — اس کے پیغام کے مقصودِ عُلیٰ کو دیکھو



کہکشاں راہگزر، چاند ستاروں کا سفر
قابَ قوسین پہ محبوبِ خدا کو دیکھو

اُمِّ ہانی کے وُہ خدشات دمِ صُبحِ دنیٰ
اور صدیق کی تصدیقِ وفا کو دیکھو

نگہِ فکر میں طائف کے مظالم لاؤ
رحمتِ حق کے لیے دستِ دعا کو دیکھو

کس طرح کثرتِ اغیار کا فسوں ٹوٹا
بدر کے معرکۂ بیم و رجا کو دیکھو

فتحِ مکّہ کے مناظر کو نظر میں لاؤ
ارضِ ظلمات پہ بارانِ ضیا کو دیکھو

جنّتِ گوش ہو پھر خطبۂ دشتِ عرفہ
اور اس آواز سے صدیوں کی جِلا کو دیکھو

جادۂ زیست پہ خورشید اُبھر آئے ہیں
ہادیٔ پاک کے نقشِ کفِ پا کو دیکھو

حرمِ پاک میں وُہ مسکنِ اہلِ صُفّہ
آؤ اِس خُمکدۂ صدق و صفا کو دیکھو



سب یہاں بگڑی بنانے کے لیے آئے ہیں
درِ اقدس پہ کھڑے شاہ و گدا کو دیکھو

منزلیں یُونہی تو آسان نہیں ہو جاتیں
راہ ہموار کرو، راہنما کو دیکھو

کیسے کیسے ہُوئے پیمانِ وفا اس کے لیے
خیبر و بدر و اُحد کے شہدا کو دیکھو

مَیں تو بس دین کا مفہوم یہی سمجھا ہُوں
اپنے ہر کام میں آقا کی رضا کو دیکھو

اسلام آباد — جون سنہ ۱۹۸۲ء





دل کو شیدائے جمالِ رُخِ زیبا کر لیں

ذہن کو وقفِ نیازِ شہِ والا کر لیں

فکر میں ذکرِ پیمبر ﷺ سے اُجالا کر لیں

رُوحِ پژمُردہ کو تسلیم سے زندہ کر لیں

ربِّ کعبہ کی قسم دہر میں کچھ بھی نہ رہے

آپؐ کی ذاتِ گرامی کو جو مِنہا کر لیں

ہم نے لاکھوں کے مقدّر یہاں بنتے دیکھے

کیسے تقدیر کے لکھے پہ بھروسا کر لیں



پھر ترے طوقِ غلامی کو سجا کر نکلیں

پھر اُسی عہدِ اطاعت کا اعادہ کر لیں

لفظ محدود ہیں اور حُسن ترا لامحدود

ذرّے خورشید کا کس طرح احاطہ کر لیں

ایک اک نقشِ مُبارک ہے دِلوں میں روشن

ہر گھڑی سامنے ہیں لاکھ وہ پردہ کر لیں

ایک دو پل کی جو ہے عمرِ گریزاں باقی

یہی دو پل ترے کوچے میں ٹھکانہ کر لیں

اسلام آباد — جولائی ۱۹۸۰ء





نگاہِ عشق میں ہر چیز ہے جمیل و حسیں
مگر وہ اتنے حسیں ہیں کہ جس کی حد ہی نہیں

نبیؐ کی رفعت و عظمت کا ایک پہلو ہے
کہ اہلِ کفر بھی گردانتے تھے اُن کو امین

زماں انھی کا، مکاں اُن کا، لامکاں اُن کا،
وہ بے نیازِ قیاس و گمان و وہم و یقیں

اُنھی کے لطف سے ہے جادۂ وفا گُل رنگ
اُنھی کے عکس سے صہبائے معرفت رنگیں

انھی کے نام سے خیر الامم ہمارا شرف
اُنھی کے ذِکر سے ہے آبروئے دینِ مبیں



انھی کی ذات سے نسبت کا معجزہ کہیے
کہ ارضِ شہرِ مدینہ ہے رشکِ خلدِ بریں

ازل سے تا بہ ابد اُن کی بادشاہی ہے
اُنھی کے دَم سے عروسِ جہاں کی تزئین

نگاہِ سرورِ عالمؐ سے قبل میں کیا تھا
بس ایک دیدۂ حیراں میانِ وہم و یقیں

میں ریگِ وقت پہ اک نقشِ بے حقیقت تھا
کرم ہُوا تو ہلا اوجِ زہرہ و پرویں

اِسلام آباد — جون ۱۹۸۳ء




اے ختمِ خیلِ انبیاء، خیر البشر، خیر الوریٰ
ہر ابتدا کی انتہا، خیر البشر، خیر الوریٰ

گنجینۂ لطف وعطا، خیر البشر، خیر الوریٰ
سرچشمۂ جود وسخا، خیر البشر، خیر الوریٰ

مشرق سے مغرب تک ضیا صلِّ علیٰ بدر الدجیٰ
آرائشِ صبح ومسا، خیر البشر، خیر الوریٰ

فرشِ زمیں سے عرش تک بس ایک قدرِ مشترک
محبوبِ ذاتِ کبریا، خیر البشر، خیر الوریٰ



رنگِ بہارِ جاں فزا، آہنگِ موجِ ارتقا
اک نکہتوں کا قافلہ، خیر البشر، خیر الوریٰ

قیدِ زماں سے ماورا، دارَین پر پھیلا ہوا
اک رحمتوں کا سلسلہ، خیر البشر، خیر الوریٰ

اے سائرِ عرشِ علا، اے محفل آرائے دنیٰ
تو زینتِ ارض وسما، خیر البشر، خیر الوریٰ

تو باعثِ ہر جزو وکل، شانِ رسل، نورِ سبل
اے نیّرِ برجِ ہدیٰ، خیر البشر، خیر الوریٰ



اپنوں کا بھی تجھ سے بھرم، غیروں پہ بھی تیرا کرم
تُو بے نواؤں کی نوا، خیر البشر، خیر الوریٰ

تُو مقصد و مقصودِ ما، تُو شاہد و مشہودِ ما
تُو مظہرِ معبودِ ما، خیر البشر، خیر الوریٰ

ہم پر کھُلیں عرفاں کے دَر، اے قاریٔ اقرأ نظر
اے مہبطِ وحیِ خدا، خیر البشر، خیر الوریٰ

اَنتَ الَّذِی لَولَاکَ لَم نَعرِفْ مَقَامَاتِ الھُدیٰ
مہرِ سپہرِ ھَلْ اَتیٰ، خیر البشر، خیر الوریٰ

لاہور — جنوری ۱۹۸۰ء





اُنہی کی روشنی سے مطلعِ عرفاں منوّر ہے
کہ جن کے دَر پہ توفیقِ حضوری حجِّ اکبر ہے

وُہی اکرم، وُہی اَحکم، وُہی اَعلم، وُہی محرم
اُنھی کا سایۂ دَر مرجعِ ہر قلبِ مضطر ہے

اُنہی کے نام کی خیرات ملتی ہے خلائق کو
انھی کی ذات کے صدقے میں ہے جو کچھ میسّر ہے

وُہی سرور، وُہی رہبر، وُہی دلبر، وُہی برتر
وُہی ہیں شافعِ محشر، اُنھی کا حوضِ کوثر ہے



وہی خیرالبشر، خیرالوریٰ، خیرالبرایہ ہیں
انھی کی زندگی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے

جوازِ عالمِ امکاں ہیں وہ، شہ کارِ خالق ہیں
نہ کوئی اُن سے بہتر ہے نہ کوئی اُن کا ہمسر ہے

فضائیں گل بداماں ہیں، ہوائیں عنبر افشاں ہیں
یہ کس کا ذکر ہے جس سے مشامِ جاں معطّر ہے

ہجومِ عاشقاں ہے، سعیِ اظہارِ تمنّا ہے
زبانِ قلبِ مضطر ہے، بیانِ دیدۂ تر ہے



نبوّت اُن کا رتبہ ہے، سیادت اُن کا ورثہ ہے
محمدؐ اسمِ اقدس ہے، لقب محبوبِ داور ہے

وُہی فِی اَحسَنِ تَقوِیم ہیں وَالتِّین کی رُو سے
انھی کا رُوئے زیبا زینتِ محراب و منبر ہے

اُنھی کے نام پر جینا، اُنھی کے نام پر مرنا
یہ توفیقِ سعادت ہو تو معراجِ مقدّر ہے

مدینے جانے والو ایک نکتہ ذہن میں رکھنا
ہم ایسے بے نواؤں کے لیے وہ ایک ہی در ہے



ہمیں بھی ایک دن سرکار روضے پر بلائیں گے
مدینہ ہم بھی دیکھیں گے اگر تقدیر یاور ہے

اسلام آباد — اپریل سنہ ۱۹۸۲ء



اُس محسنِ عالم کی عطا سب کے لیے ہے
خورشیدِ رسالت کی ضیا سب کے لیے ہے

وہ بدرِ حرا، ماہِ صفا سب کے لیے ہے
وہ نورِ ہدیٰ قبلہ نما سب کے لیے ہے

کونین میں وہ ایک ہی رہبر ہے کہ جس کی
تابانیِ نقشِ کفِ پا سب کے لیے ہے

سب جن و ملک، حور و بشر سائلِ در ہیں
اک بابِ کرم ہے کہ کُشا سب کے لیے ہے



خمخانۂ قوسین فقط اُن کے لیے تھا
کیفیتِ صہبائے دنیٰ سب کے لیے ہے

ہر شخص کی توفیق الگ، ظرف بھی لیکن
رحمت کی گہر بار گھٹا سب کے لیے ہے

ہر رفتہ و آئندہ ہے اُس نور سے روشن
وہ مہرِ سخا، راہ نما سب کے لیے ہے

اسلام آباد — فروری ۱۹۸۲ء





جب خلق کی نگاہ میں پتھر خدا ہوا — اور بندۂ الٰہ کسی اور کا ہوا
پہنائیوں میں عرش کی اک فیصلہ ہوا — رحمت کا ایک بابِ درخشندہ وا ہوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہوا

ہر اک تھا اپنی ذات میں سہما ڈرا ہوا — ہر دل میں اک چراغ تھا لیکن بجھا ہوا
یک لخت پھر بشر کو وہ منصب عطا ہوا — خود آشنا نہیں تھا، خدا آشنا ہوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہوا

دُنیائے ہست و بود میں اک معجزہ ہوا — صحرائے خارزارِ عرب کیا سے کیا ہوا
ہر گوشہ اُس کا ہمسرِ عرشِ عُلا ہوا — ہر ذرہ اُس کی خاک کا قبلہ نما ہوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہوا



مایوسیوں کا ابر جو اُٹھا تھا ٹل گیا — ہر سمت روشنی ہوئی منظر بدل گیا
اب دل سے خوفِ لات و منات و ہُبل گیا — گھر گھر میں شادمانی کا اِک غلغلہ ہوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہُوا

آیا حریفِ ظلمتِ شب، نور آفریں — شمعِ یقین و ماہِ ازل مہرِ آخریں
تزئینِ فرش و عرشِ بریں صادق و امیں — تابندہ اُس کے نُور سے ہر راستہ ہوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہُوا

انساں کے ذہن میں کوئی اُلجھن نہیں رہی — تدبیر و فکر پر کوئی قدغن نہیں رہی
برقِ بلا بھی دشمنِ خرمن نہیں رہی — عیش و طرب کا جشنِ مسلسل بپا ہوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہُوا



وہ آگیا کہ جس کا ازل سے تھا انتظار — وہ جس سے آشکار ہُوا حُسنِ کردگار
جس کے نفس نفس میں تھا اِک مژدۂ بہار — اِک سیلِ رنگ زینتِ ارض و سما ہُوا

یعنی ورودِ پاک حبیبِ خدا ہُوا

اسلام آباد
نومبر ۱۹۸۲ء





اِک ذکرِ جمیل آج مرے لب پہ رواں ہے

دامانِ تخیّل میں بہاروں کا سماں ہے

ہر لفظ ہے خوش رنگ، قلم عطر فشاں ہے

توصیفِ پیمبر ﷺ ورقِ گُل پہ رواں ہے

وہ نورِ مبیں، نورِ ازل جس سے عیاں ہے

آرائشِ کونین ہے، تزئینِ زماں ہے

وہ شان کہ آیاتِ الٰہی میں بیاں ہے

وہ حُسن کہ مسحور صفِ دیدہ وراں ہے



طیبہ کا سفر چاند ستاروں کا سفر ہے

جو راہ اُدھر جاتی ہے اک کاہکشاں ہے

اُس شہرِ مقدس میں پہنچنے کی تمنّا

ہر قلبِ مسلماں میں لہو بن کے رواں ہے

ہر گوشۂ عالم میں درِ شاہِ مدینہ

میزابِ عنایات ہے، چشمِ نگراں ہے

اسلام آباد

مئی سنہ ۱۹۸۲ء





بلبل کو نوا، گُل کو قبا تجھ سے ملی ہے

کلیوں کو چٹکنے کی ادا تجھ سے ملی ہے

ہر چیز، ضرورت سے سوا تجھ سے ملی ہے

اِک بُوند جو مانگی تو گھٹا تجھ سے ملی ہے

ہر دَور میں تُو بدرِ یقیں، مہرِ ھُدیٰ ہے

ہر دور میں انساں کو جِلا تجھ سے ملی ہے

آسودگیِ قلب و نظر تیری عطا ہے

تابندگیِ فکرِ رسا تجھ سے ملی ہے



تُو ہر کس و ناکس کے لیے سایۂ رحمت

ہر شخص کو ہر دُکھ کی دوا تجھ سے ملی ہے

ہر ظالم و جاہل نے ستم تجھ پہ کیے ہیں

ہر ظالم و جاہل کو دُعا تجھ سے ملی ہے

جس پر بھی نگہ پڑ گئی کونین اُسی کے

کِس سے ملی جو دادِ وفا تجھ سے ملی ہے

مہر و مہ و انجم ہیں ترے نُور کا پرتو

آنکھوں کو چمک، دِل کو ضیا تجھ سے ملی ہے

اسلام آباد

مارچ ۱۹۸۲ء





میری ہر سانس کو عنبریں کر گیا آپؐ کا نام اَے سیّد المرسلیںؐ
رُوح جاگی ہے کُندن ہُوا آج دِل سا مِسِ خام اَے سیّد المرسلیںؐ

اَے شہِ دُوسَرا آپ کے فیض سے رُو کشِ خُلد ارضِ مدینہ ہُوئی
آپ کی میزبانی کا یہ اِک شرف ایک انعام اَے سیّد المرسلیںؐ

آپؐ آئے خدا کا کرم ہو گیا، آدمی بے نیازِ صَنَم ہو گیا
مَوجِ صہبائے وحدت چھلکنے لگی، بھر گئے جام اَے سیّد المرسلیںؐ

عَرش اور فرش کے فاصلے مِٹ گئے، سارے ٹُوٹے ہُوئے سِلسِلے جُڑ گئے
خلق و خالق میں اِک رابطہ بن گیا آپؐ کا نام اَے سیّد المرسلیںؐ



رُوح وِیران تھی قلب سُنسان تھے، ذہنِ انساں میں کتنے ہی خلجان تھے
آپؐ کی دردمندی سے حاصِل ہُوا دائم آرام اَے سیّد المرسلیںؐ

ہَم کہ واقف نہ تھے مقصدِ زیست سے یونہی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے
آپؐ آئے تو جِینے کا ڈھب آ گیا، بن گئے کام اَے سیّد المرسلیںؐ

آپؐ کی رہنمائی میں جو قافلے منزلِ حق کی جانبِ روانہ ہُوئے
عرش والوں نے اُن پر نچھاور کیے پھُول ہر گام اَے سیّد المرسلیںؐ

اسلام آباد
مارچ سنہ ۱۹۸۲ء





نیازِ ارض و سما صبح و شام اُن کے لیے
درود اُن کے لیے ہے سلام اُن کے لیے

تمام عجز و ارادت مدام اُن کے لیے
قیام اُن کے لیے ہے دوام اُن کے لیے

طلوعِ صبحِ ازل اُن کے نور کا پرتو
رحیلِ وقت کا حُسنِ خرام اُن کے لیے

اُنھی کے واسطے چھیڑا گیا تھا سازِ الست
ظہورِ نور کا یہ التزام اُن کے لیے



فرازِ عرش سے راز و نیاز ہوتے رہے
زمین ہو گئی گردوں مقام اُن کے لیے

خوشا جو احمدِ مرسل کے نام لیوا ہیں
ہوئی ہے آتشِ دوزخ حرام اُن کے لیے

وہ بے نوا کی نوا، بے کسوں کا مامن ہیں
تمام مدح و ثنا ان کے نام، اُن کے لیے

اسلام آباد　　جنوری ۱۹۸۲ء





وہ نورِ ازل جس کی ثنا شان ہے میری
اُس نور سے، ہر شب سحر اعلان ہے میری

چھوڑوں نہ خدائی کے عِوض تیری غلامی
یہ میرا شرف ہے، یہی پہچان ہے میری

پھر دل میں ابھرنے لگے طیبہ کے در و بام
پھر ایک تڑپ سی ہے کہ مہمان ہے میری

اک بار کسی طرح ترے در پہ پہنچ جاؤں
پھر واں سے تو منزل بہت آسان ہے میری



آلام کی یورش میں، حوادث کے مقابل
اک تیری نظر ہے کہ نگہبان ہے میری

اک نخلِ عنایت ہے کہ ہر لحظہ ثمر بار
اِک تنگیِ داماں کہ بھرآن ہے میری

قطرہ ہوں مگر وسعتِ قلزم میں ہوں شامل
ذرہ ہوں مگر روشنی پہچان ہے میری

لاہور
دسمبر ۱۹۸۰ء





وُہی مقدّم، وُہی مؤخّر، انھی پہ ساری عطا ہُوئی ہے
انھی سے اِک ابتدا ہوئی تھی، انھی پہ اِک انتہا ہوئی ہے

وہ نُورِ اوّل کی بے نقابی، وہ جلوۂ حق کی بے حجابی
وہ ذات جس کے کرم سے فکرِ بشر خدا آشنا ہوئی ہے

وہ کیا بشر تھے کہ زیرِ ظلِّ رحیم خود بھی رحیم ٹھہرے
وہ کیسے اُمّی تھے جن سے سارے عُلوم کی ابتدا ہُوئی ہے



جلیل ایسے کہ ساری دُنیا کی عظمتیں اُن کے زیرِ پا ہیں
جمیل ایسے کہ ان پہ اِطلاقِ حُسن کی اِنتہا ہوئی ہے

مَیں اُن کے روضے کی جالیوں پر ہمیشہ اِک بات سوچتا ہوں
کہ عاجزوں، بیکسوں پہ ربِ عُلا کی کیسی عطا ہوئی ہے

اسلام آباد
اگست ۱۹۸۴ء





ذکرِ اطہر سے ہُوئی موجِ ہوا عطر آگیں — غنچۂ فکر کھلا نُطق ہُوا عطر آگیں

اُن کی رحمت سے مرے صبح و مسا عطر آگیں — جن کی بعثت سے ہوئے ارض و سما عطر آگیں

لُطفِ پیہم کی برستی ہے گھٹا عطر آگیں — جبل النّور، اُحُد، کوہِ صفا عطر آگیں

گلشنِ خُلد کا ٹکڑا ہے مدینے کی زمیں — جس کے ذرّوں کو ہُوئی چھو کے صبا عطر آگیں

صدیوں پہلے کی رفاقت کا کرشمہ کہیے — آج تک غارِ حرا کی ہے فضا عطر آگیں



کون گزرا ہے کہ افلاک مہک اٹھے ہیں — کون آیا کہ ہُوا عرشِ عُلا عطر آگیں

مرحبا، صلِّ علےٰ سیّدنا، مُرسلنا — عطر خود آپؐ کی خوشبو سے ہوا عطر آگیں

نام ہی خُوب تھا نسبت ہی بہت اچھی تھی — لب پہ آتے ہی ہُوا حرفِ دُعا عطر آگیں

کاغذی ہیں مرے گلہائے عقیدت آقاؐ

ہو عطا ان کو بھی دامن کی ہوا عطر آگیں

لاہور

ستمبر ۱۹۷۹ء





ہم اُن سے عہدِ وفا اُستوار رکھتے ہیں
خدا کے بعد جو سب اختیار رکھتے ہیں

وہی سفر جو مدینے پہ ختم ہوتا ہے
اُسی سفر کی طلب بار بار رکھتے ہیں

ملی ہے دولتِ حُسنِ یقیں جنھیں اُن سے
جلا کے شمع سرِ رہگزار رکھتے ہیں

کھڑے ہیں مُہر بہ لب اُن کے آستانے پر
اگرچہ دل میں تمنّا ہزار رکھتے ہیں



سکون اُن کے لیے ہے قرار اُن کے لیے
جو اُن کی یاد میں دل بے قرار رکھتے ہیں

اُنھی کے در کا کرم ہے کہ ان کے حلقہ بگوش
مَئے اَلَستْ کا اب تک خُمار رکھتے ہیں

اِسی شرف کی بدولت کہ ہیں غلام اُن کے
بڑا بھرم ہے ، بڑا اِعتبار رکھتے ہیں

بساطِ عشق تو کچھ بھی نہیں مگر پھر بھی
طلب ہے اور دلِ سوگوار رکھتے ہیں

اسلام آباد
فروری سنہ ۱۹۸۲ء





اُن کو اللہ کا کرم جانیے بات اتنی ہے — دین و دُنیا میں حَکم جانیے بات اتنی ہے

اُن کے اللہ کو رب مانیے دین اتنا ہے — اُن کے مسکن کو حرم جانیے بات اتنی ہے

طرۂ دانش و حکمت، کُلہِ جاہ و حشم — اُن کا نام آئے تو خم جانیے بات اتنی ہے

جب بھی توفیقِ حضوری ہو تو آقا کے حضور — ادب و عشق بہم جانیے بات اتنی ہے

حسن جس شے میں جہاں بھی نظر آئے اُس کو — آپؐ کا نقشِ قدم جانیے بات اتنی ہے

اُس سعادت کو جسے عشقِ نبیؐ کہتے ہیں — دونوں عالم کا بھرم جانیے بات اتنی ہے



کشورِ ہست میں جو خاک نشیں تھے اُن کو — خسرو و مُلکِ ارم جانیے بات اتنی ہے

ان کے الطاف و عنایات کی وسعت کے لیے — ظرفِ امکاں کو بھی کم جانیے بات اتنی ہے

ذاتِ والا کو جو ہے مظہرِ انوارِ ازل — محورِ لوح و قلم جانیے بات اتنی ہے

ہو عطا دیدۂ عرفاں تو مقامِ محمودؐ

صرف اللہ سے کم جانیے بات اتنی ہے

لاہور

فروری سنہ ۱۹۸۳ء





حرزِ جاں حرفِ ثنائے شہِ بطحاؐ کرلیں
ہر پریشانیٔ خاطر کا مُداوا کرلیں

ہر گھڑی حکم ترا پیشِ نظر ہے ورنہ
ہم سے وارفتہ ترے روضے پہ سجدہ کرلیں

تیرے کُوچے کے ہر اِک ذرّے کو آنکھوں سے لگائیں
ہر نشانی کو تری قلب پہ کندہ کرلیں

خس و خاشاک کو چومیں، کبھی دیواروں کو
خارِ صحرا سے ترے، خُلد کا سودا کرلیں



اُسطواناتِ مبارک سے لپٹ کر روئیں
زندگی بھر کے گناہوں کا ازالہ کرلیں

تیری محرابؑ میں سجدوں کی سعادت پائیں
اپنی تقدیر کو ہمدوشِ ثریّا کرلیں

والہانہ ترے خدّام کے قدموں میں گریں
تیری چوکھٹ سے جبینوں میں اُجالا کرلیں

تھام کر روضۂ اطہر کی سُنہری جالی
اپنے ہاتھوں کو مثالِ یدِ بیضا کرلیں

نیویارک
اکتوبر ۱۹۸۰ء





توقیرِ انس و جاں ہے تُو اے رحمتِ تمام
ہر لمحۂ حیات ترا خیرتِ دوام

اللہ کے کلام کا حاصل ترا پیام
اللہ کے پیام کا حاصل ترا کلام

سب صاحبانِ اَمر کا دل سے ہے احترام
لیکن ترا مقام ہے آقا ترا مقام

کیا کچھ نہیں ہے تیری شریعت میں یا نبیؐ
دُنیا کا اہتمام ہے، عُقبیٰ کا التزام



اِک پَل میں عُمر بھر کی تھکن دُور ہو اگر
مِل جائے دستِ ساقیِ کوثرؐ سے ایک جام

ہر گوشۂ حیات کو رنگوں سے بھر گیا،
مکّے کے باسیوں میں وہ اِک اَن پڑھا سا نام

تاریخ کائنات کا روشن ترین باب
یعنی دُرودِ احمدِ مُرسل، شہِ انام

لاکھوں سلام، لاکھوں دُرود اُسکی ذات پر
جس پر ہُوا ہے وحیِ الٰہی کا اختتام

اسلام آباد
اگست سنہ ۱۹۸۲ء





دُفورِ شوق ترے آستاں پہ لے آیا
مَیں خاکِ رہ تھا مجھے آسماں پہ لے آیا

جہاں جبینوں میں سجدے مچلنے لگتے ہیں
اُسی نیاز گہِ قُدسیاں پہ لے آیا

بجا ہے اپنے مقدّر پہ جتنا ناز کروں
کہ درگہِ شہِ کون و مکاں پہ لے آیا



میں تیرے نقشِ کفِ پا تلاش کرتا تھا
یہ سلسلہ تو مجھے کہکشاں پہ لے آیا

مَیں اپنے دِل کو سنبھالوں کہ اپنا حال کہوں
جمالِ یار رہِ امتحاں پہ لے آیا

تری عطا ہے کہ مَیں باوجودِ عجزِ بیاں
ترے خیال کو دل سے زباں پہ لے آیا

لاہور
ستمبر ۱۹۸۰ء





مری رسائی ترے سنگِ آستاں تک ہے
یہاں سے راہ مری ذاتِ لامکاں تک ہے

کوئی طلب کوئی شکوہ نہیں ہے غیروں سے
حسابِ دردِ مرا، میرے مہرباں تک ہے

بجز خدائے دوعالم، کسی کو علم نہیں
کہ رفعتِ شہِ کون و مکاں کہاں تک ہے

جو اُن کے ہو گئے کونین ان کے ساتھ ہوئے
مگر حریفوں کا دیکھو کہیں نشاں تک ہے



نبیِ پاک، علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
وہ نور ہیں کہ ضیا جن کی آسماں تک ہے

یہ جانتا ہوں کہ ممکن نہیں ثنا تیری
مگر یہ کاوشِ حرف و بیاں، جہاں تک ہے

خوشا وہ حرفِ تمنا کہ جس کی شنوائی
نبیِ محترم آخر الزماں تک ہے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۲ء





ہے وقف تیرے لیے حشر تک درود و سلام

تو خیرِ خلق ہے، خیرِ بشر ہے، خیرِ انام

ترا ظہورِ مبارک ہے ہر بشر کے لیے

خدا کا سب سے بڑا، سب سے مقتدر انعام

ترا جمال، جمالِ خدا کا پرتو ہے

ترا بیان، خدا کی زباں، خدا کا کلام

تجھی سے عہدِ غلامی اگر نہ قائم ہو

تو پھر یہ عمرِ گریزاں ہے سر بسر الزام



ہر ایک شے کے مقدر میں ہے فنا لیکن

ترے پیام کو حاصل رہے گا حکمِ دوام

ترا نیاز، ترا عشق گر نہ شامل ہو

تو پھر نہ عظمتِ سجدہ نہ آبروئے قیام

ترے حضور، تری وسعتوں میں گم گشتہ

میں ایک سائلِ بے چارہ، بے نوا، بے نام

اسلام آباد

جنوری ۱۹۸۲ء





کشورِ جاں کے تاجدار، سلام — دشتِ اِمکاں کے شہسوار، سلام

باغِ ہستی کے گلعذار، سلام — مژدۂ فصلِ نو بہار، سلام

ہادیِ جنّ و حور و اِنس و مَلک — رہبرِ راہِ اُستوار، سلام

اے سحابِ سخا وجود و کرم — کشتِ ویراں کے آبیار، سلام

دردمندوں کے، دِلفگاروں کے — بے نواؤں کے غمگسار، سلام

تجھ پہ حوریں دُرود پڑھتی ہیں — تجھ پہ جنّ و بشر نثار، سلام



دونوں عالم ہیں تیرے زیرِ نگیں — شہریاروں کے شہریار، سلام

ترجمانِ مشیّتِ یزداں — رازدانِ مزاجِ یار، سلام

خلق و خالق میں رابطہ تجھ سے — رشتۂ عبد و کردگار، سلام

"قابَ قوسَین" تا بہ "اَوْ اَدنیٰ" — لمحۂ قرب و وصلِ یار، سلام

جانِ عالم پہ بے شمار دُرود
رحمتِ کُل پہ بار بار سلام

اسلام آباد
جنوری ۱۹۸۴ء





نام جب اُن کا لیا لُطف کے عُنواں جاگے
اِک تڑپ دل میں اُٹھی قرب کے اِمکاں جاگے

ذِکر جب اُن کا ہو خُوشبو کے دریچے کُھل جائیں
پھُول شاخوں پہ ہنسیں فصلِ بہاراں جاگے

ناخدا وہ ہیں تو کشتی کا مجھے کیا غم ہے
بحر ساکن رہے یا موجۂ طوفاں جاگے

میرے آقاؐ کا نگر نُور کا وہ مسکن ہے
جس کے ہر ذرّے سے اک مہرِ درخشاں جاگے



اِس محبّت سے وہاں چارہ گری ہوتی ہے
زخم تو خواب ہوں اور لذّتِ درماں جاگے

آپؐ آئے تو زمانے کو ملا اِذنِ خرام
قرن ہا قرن کے سوئے ہُوئے اِنساں جاگے

آپؐ کے نام سے پھر دشت و جبل گونج اُٹھیں
پھر فضاؤں میں کوئی لحنِ حُدی خواں جاگے

اِسلام آباد
جنوری ۸۴ء





آج بھی پُرسشِ ہر دیدۂ تر قائم ہے
آج بھی سلسلۂ فیضِ نظر قائم ہے ۰

آج بھی مہرِ رسالت سے ہے عالم روشن
ارضِ مکّہ سے جو اُبھری وہ سحر قائم ہے

کوئی آزردہ نہ ہو، کوئی پریشاں نہ رہے
حشر تک رحمتِ کونین کا در قائم ہے

آج بھی تیرے غلاموں کا لقب خیرِ اُمم
سنگریزوں میں ترے آبِ گہر قائم ہے



ہدیۂ قلبِ تپاں کی تو حقیقت ہی کیا
ابھی جاں باقی ہے جاناں، ابھی سر قائم ہے

اور اِک بار مجھے در پہ بُلا لو آقاؐ
آرزوئے کرمِ بارِ دگر قائم ہے

اِک تعلّق ہے کہ کھینچے لیے جاتا ہے مجھے
سُوئے بطحا کہ جہاں دِل کا نگر قائم ہے

اسلام آباد
جنوری ۱۹۸۴ء





تجھ پہ مٹ جائیں تو ہم اپنی ثنا خوانی کریں
شانِ "ما اعظم" جتائیں وِردِ "سُبحانی" کریں

وُہ جو تیرے دَر کے دربانوں کی دربانی کریں
اُن کا منصب ہے کہ سُلطانوں پہ سُلطانی کریں

ایک سجدہ جس سے ہم تکمیلِ ربّانی کریں
ایک چوکھٹ جِس سے پیشانی کو نُورانی کریں

تیرے مے خانے سے پی کر جُرعۂ فقر و غنا
کج کلاہانِ زمانہ پر سُلیمانی کریں



دیکھتے جائیں جمالِ مصحفِ بدرُ الدُّجےٰ
اور اُس کے نُور میں تفسیرِ قرآنی کریں

سیرتِ خیر البشرؐ، قرآنِ ناطق سر بسر
آؤ اُس قرآن کی اوراق گردانی کریں

گر اجازت دے مدینے کی بہارِ جاوداں
اشکِ خونِ دل سے طیبہ پر گُل افشانی کریں

حاضری کی شرطِ لازم اِنتہائے اِحترام
یہ نہیں ممکن کہ زائر اپنی من مانی کریں



بن کے آئے تھے سوالی اُن کے در پر اور اب
منفعل ہیں کیسے ذکرِ تنگ دامانی کریں

کچھ ادب مانع ہے، کچھ الفاظ کی کم مائیگی
کس طرح اظہارِ کیفیاتِ پنہانی کریں

اسلام آباد
جنوری ۱۹۸۴ء





خلش بڑھ جائے گی تو میرے چارہ گر بُلائیں گے
مجھے بھی ایک دن سرکار روضے پر بُلائیں گے

مدینے کی یہ روز افزوں کسک پھر رنگ لائے گی
جو قلب و جاں میں پیوستہ ہیں وہ منظر بلائیں گے

شہِ کونین کا مجھ پر یقیناً پھر کرم ہو گا
جو بو آیا ہوں طیبہ میں وہ اشکِ تر بلائیں گے

فضائیں ہر قدم پر پھول بکھرائیں گی راہوں میں
حریمِ ناز کے جب مجھ کو بام و در بلائیں گے



میں جب اُس در سے لوٹوں گا تو عالم اور ہی ہو گا
منازل چل کے آئیں گی، مہ و اختر بُلائیں گے

کہاں میں اور کہاں اُس بارگاہِ قدس کے جلوے
مری معراج ہو گی جب وہ اپنے گھر بُلائیں گے

مکینِ گنبدِ خضریٰ کی رحمت پر بھروسا ہے
کہ وہ ہم عاصیوں کو بھی سرِ کوثر بُلائیں گے

وہ کیسا وقت ہو گا ناصحوں پر نکتہ چینوں پر
شفاعت کو مجھے جب شافعِ محشر بُلائیں گے

اسلام آباد
جنوری سنہ ۱۹۸۴ء





ظلمت سرائے شب میں سحر آپ لائے ہیں
دُنیا میں حُسنِ فکر و نظر آپ لائے ہیں

معروضۂ سحر کی پذیرائی آپ سے
میری دُعائے شب میں اثر آپ لائے ہیں

میں پیکرِ نیاز، خدا بے نیاز ہے
میری دُعاؤں میں یہ اثر آپ لائے ہیں

سارے نبی بشر ہیں، بشر ہم بھی ہیں مگر
معیارِ انتہائے بشر آپ لائے ہیں



توقیرِ کبریا تو مُسلّم ازل سے تھی
توقیرِ بندگی کی خبر آپؐ لائے ہیں

سوچو تو زندگی کی عطا صُبحِ "کُن" سے ہے
دیکھو تو اِس شجر میں ثمر آپؐ لائے ہیں

مُردوں کو زندگی بھی مِلی ہے یہاں ضرور
لیکن علاجِ دیدۂ تر آپؐ لائے ہیں

اِسلام آباد
جنوری ۱۹۸۴ء





ذکرِ زیبائی کریں تفسیرِ رعنائی کریں
تیرے سب پرتو سجا کر عالم آرائی کریں

شہرِ طیبہ کے مکیں جن کی پذیرائی کریں
کیوں نہ اُن کے در پہ انجم ناصیہ سائی کریں

سب یہاں اہلِ مراتب اور ہم بے مرتبہ
بس کرم ہو جائے تو عرضِ شکیبائی کریں



جس کا ہر ذرّہ شہیدوں کے لہو سے گلعذار
آؤ اُس دشتِ وفا کی جادہ پیمائی کریں

گلشنِ ہستی میں اِک عشقِ نبیؐ کی کہکشاں
یُوں سجائیں ہم کہ عالم کو تماشائی کریں

اسلام آباد
فروری ۱۹۸۴ء





نوحہ دیدۂ تر میرےؐ نبیؐ تک پہنچے
قلبِ مُضطر کی خبر میرے نبیؐ تک پہنچے

پھر مدینے کی بہاروں کا بُلاوا آئے
پھر مری راہِ سفر میرے نبیؐ تک پہنچے

اِک نظام ایسا ہے رحمت کا کہ سُبحان اللہ
درد مجھ کو ہو، اثر میرے نبیؐ تک پہنچے

عرض سے پہلے خدا اُن کی غرض سُنتا ہے
جب کوئی دستِ نگر میرے نبیؐ تک پہنچے



میرے الفاظ تو شرمندۂ معنیٰ ہی رہے
میرے اشکوں کے گہر میرے نبیؐ تک پہنچے

کِس کو یارا کہ کرے عرضِ ہنر اُن کے حضور
بس مرا عجزِ ہُنر میرے نبیؐ تک پہنچے

میری جانب سے یہ گلہائے دُرود و تسلیم
تُو جو اے بادِ سحر میرے نبیؐ تک پہنچے

اسلام آباد
فروری ۱۹۸۴ء





اِک عکس ترے رخ کا ہر آئینہ رُو چاہے
ہر عَربدہ جُو چاہے ، ہر غالیہ مُو چاہے

رحمت کی گھٹاؤں سے ہر دانہ نمو چاہے
گلپوش وہی ہو گا آقاؐ جسے تُو چاہے

روضے پہ ترے سَب کی پلکوں پہ نمی سی ہے
ہر آنکھ یہاں گویا اشکوں سے وضُو چاہے



وہ تارِ نظر جس سے اب سانس کا رشتہ ہے
اُس تارِ نظر ہی سے ہر چاک رفو چاہے

کوثر بھی ہمارا ہے، ساقی بھی ہمارا ہے
پیمانۂ دِل پھر کیوں احسانِ سبو چاہے

اسلام آباد
فروری سنہ ۱۹۸۴ء





یا الٰہی مری آہوں کو اثر مِل جائے
شبِ غربت کو مدینے کی سحر مل جائے

مَیں سزاوارِ عنایت تو نہیں ہوں پھر بھی
میرے آقا کو سگِ در کی خبر مل جائے

کاش پھر مجھ کو حضوری کا شرف حاصل ہو
پھر مدینے کی طرف اذنِ سفر مل جائے

جگمگاتے رہیں تا حشر در و بام ترے
اور مجھ کو بھی کہیں سایۂ در مِل جائے



ایک اک ذرّے کو چوموں کبھی آنکھوں سے لگاؤں
گر کہیں مجھ کو تری راہ گزر مل جائے

جذب میں اشک یہاں چشتیؔ و جیلانیؒ کے
خاک مٹھی میں اٹھاؤ تو گہر مل جائے

جو مرے پاک نبیؐ کے ہو قبولِ خاطر
میرے اشعار کو وہ رنگِ ہنر مل جائے

اسلام آباد
فروری سنہ ۱۹۸۴ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمیں بارگاہ میں پہنچا بہت ملول ملول
ہر ایک سانس میں تسبیح تھی رسولؐ رسولؐ
ابھی دعا کے لیے ہاتھ بھی نہ اٹھے تھے
کہ بزمِ ناز سے آئی صدا قبول قبول

اسلام آباد
فروری سنہ ۱۹۸۴ء





حکایتِ حُسنِ ذات کہیے۔ ثنائے ربِّ انام کہیے
خدا کے بعد اُن کا نام لیجے، دُرود پڑھیے، سلام کہیے

نبیِؐ اکرم کا روضۂ پُر جمال نظروں کے سامنے ہے
خدا کی نعمت کا شُکر کیجے، حدیثِ حُسنِ تمام کہیے

حبیبِؐ داور کی پاک سیرت مزاجِ قرآں کی ترجماں ہے
رضائے خیر الانامؐ ہی کو رضائے ربُّ الانام کہیے

اُنھیؐ سے اذنِ خرام لے کر بہار کے قافلے رواں ہیں
چمن چمن رنگ و بُو کے جلووں کو آپؐ کا فیضِ عام کہیے



بشر کی تہذیب و تربیت کو جنابِؐ خیر البشر کی بعثت،
اِک ایسی نعمت ہے جس کو ربِّ عُلا کا خیرِ دوام کہیے

جو عقل کی دسترس سے اوجھل جنوں کی سرمستیوں سے پنہاں
تلاشِ حق میں وہ لائے احمدؐ کو ایک ایسا مقام کہیے

یہ بیکس و بے دیار خود اپنی ذات میں خاک بھی نہیں ہے
شرف اگر بخشیے تو خیر الوریٰ کا ادنیٰ غلام کہیے

اسلام آباد
فروری ۱۹۸۴ء





الٰہی لُطف و کرم کے حصار میں رکھنا
دیارِ نُور کے قُرب و جوار میں رکھنا

دمک رہی ہیں فضائیں نبیؐ کے جلووں سے
دل و نظر کو ذرا اِختیار میں رکھنا

ابھی ابھی اِنھی گلیوں سے کوئی گزرا ہے
سنبھل سنبھل کے قدم کوئے یار میں رکھنا

نبیؐ کی شانِ کریمی پہ حرف آتا ہے
انھیں پسند نہیں اِنتظار میں رکھنا



ہم اہلِ دل جسے عشقِ رسولؐ کہتے ہیں
وہی تڑپ نگہِ اشکبار میں رکھنا

لگاتے رہنا مدینے کے قافلوں کا سُراغ
اور آنسوؤں کے دیے رہگزار میں رکھنا

انھیں بھی جو ترے در پہ کھڑے ہیں لب بستہ
بہ وقتِ اِذنِ حضوری شمار میں رکھنا

اسلام آباد
فروری ۱۹۸۴ء





ہونٹوں پہ مرے مدحتِ شاہِؐ دو جہاں ہے
اِس نام سے مشّاطگیِ کون و مکاں ہے

اِس نام سے آسودگیِ دل زدگاں ہے
اِس نام سے دلداریِ ہر قلبِ تپاں ہے

یہ نام کہ جو کاشفِ اسرارِ جہاں ہے
یہ نام کہ جو مرجعِ صاحب نظراں ہے

اِس نام سے روشن ہوئیں انسان کی راہیں
اِس نام سے شادابیِ افکارِ جہاں ہے



اِس نام سے لرزاں ہیں جہالت کے اندھیرے
اِس نام سے تابندہ جہانِ گُزراں ہے

اِس نام سے نسبت ہی مری زیست کا حاصل
یہ میرا تعارف، مری منزل کا نشاں ہے

اسلام آباد
مئی ۱۹۸۲ء





وہ اشک جو پسِ داماں چشمِ تر ٹھہرے   مرے کریم کی نظروں میں مقتدر ٹھہرے

رضائے دوست ہی گر مطمحِ نظر ٹھہرے   تو اپنی زندگی پھر کیوں نہ معتبر ٹھہرے

اطاعت اُن کی، ثنا اُن کی، احترام اُن کا   یہی عمل ہو، یہی زیست کا ثمر ٹھہرے

تمام عمر رہے سیرِ چشم و مستغنی   جو اُن کے روضے کے سائے میں لمحہ بھر ٹھہرے

نسیمِ صبح یا مغرب کو لوٹتا سورج   کوئی تو ہو جو ہمارا بھی نامہ بر ٹھہرے

جو بارگاہِ شہِ انس و جاں پہ لے جائے   وہ راہ کاش کبھی میری رہگزر ٹھہرے



دیارِ نور کے جلووں کو دیکھنے کے لیے   حیاتِ خضر بھی پائیں تو مختصر ٹھہرے

میں دل فگار رہوں یا قرار پا جاؤں   مجھے غرض نہیں جب آپ چارہ گر ٹھہرے

جو عمر بھر بھی رہیں اُن کے آستانے پر   تو شوق پھر بھی کہے گا کہ مختصر ٹھہرے

ندا جو آئی صفا سے تو اہلِ دل نے کہا
یہ آفتاب ذرا اور بام پر ٹھہرے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





تجلیات کا محور نگاہ میں رکھنا — نبیؐ کا شہرِ منوّر نگاہ میں رکھنا

جہاں فقیری و شاہی بہم ہیں صرفِ نیاز — وہی دیارِ پیمبرؐ نگاہ میں رکھنا

وہ عطر بیز ہوائیں وہ مشکبار فضا — وہ سنگریزے وہ پتھر نگاہ میں رکھنا

جہاں بھی جاؤ خدا کی حسین دنیا میں — وہ در، وہ روضہ، وہ منبر نگاہ میں رکھنا

چہار سمت سے جب ظلمتوں کی یورش ہو — تجلّیِ رُخِ انور نگاہ میں رکھنا

ہمارا شیوہ یہی ہے کہ ہر مصیبت میں — گدا نوازیِ سرور نگاہ میں رکھنا

حسابِ نامۂ اعمال تو جو ہے سو ہے — عطائے شافعِ محشر نگاہ میں رکھنا



ہے جزوِ کیش ہمارے لیے ثنائے رسولؐ — اور اُن کی سیرتِ اطہر نگاہ میں رکھنا

نبیؐ کی تربیتِ پاک نے جو ڈھالے تھے — وہ علم و حلم کے پیکر نگاہ میں رکھنا

جلالِ خالدؓ و فاروقؓ، صدقِ صدیقؓ — کمالِ جعفرؓ و حیدرؓ نگاہ میں رکھنا

طریقِ یاسرؓ و عمّارؓ، رسمِ زیدؓ و بلالؓ — شعارِ فقرِ ابوذرؓ نگاہ میں رکھنا

خیالِ تنگیِ داماں نہیں بوقتِ طلب
سخائے ساقیِ کوثر نگاہ میں رکھنا

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





شوقِ نظّارا ہمارا، اذنِ سفر اُن کا ہے

آہ میری ہے مگر اس میں اثر اُن کا ہے

جھلملانے لگے اشکوں میں در و بامِ حرم

دیدۂ تر پہ کرم بارِ دِگر اُن کا ہے

شہرِ بطحا کا ہر اِک ذرہ ہے خورشید وش

ایک جلوہ ہے کہ تا حدِ نظر اُن کا ہے

ہر طرف نور فشاں حُسنِ ازل کے پرتو

فیضِ دیدار سرِ راہ گزر اُن کا ہے

کیوں نہ مہکیں یہاں ہر لحظہ درُودوں کے گلاب

یہ ڈگر اُن کی، نگر اُن کا، یہ گھر اُن کا ہے



ہر جبیں سجدے میں اور وقت کی دھڑکن خاموش

یہ حرم اُن کا ہے، شہر اُن کا ہے، در اُن کا ہے

بزمِ انجم سے پہنچتے ہیں، سلام اُن کے لیے

شمس اُن کا ہے، فلک اُن کا، قمر اُن کا ہے

گلشنِ ہست کی ہر پنکھڑی اُن سے منسوب

شاخِ گل اُن کی، شجر اُن کا، ثمر اُن کا ہے

ہر گھڑی پیشِ نگہ رہتی ہے طاعت اُنکی

زیست اپنی ہے پہ اندازِ نظر اُن کا ہے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





اپنی ہستی کو اُجالوں تو ترِی مدح لکھوں
دِل کو آئینہ بنالوں تو ترِی مدح لکھوں

میری پلکوں پہ جو فرقت کے دِیے جلتے ہیں
اُن کی لَو اور بڑھالوں تو ترِی مدح لکھوں

تیری تسبیح میں بہتے ہوئے اِن اشکوں کو
کبھی الفاظ میں ڈھالوں تو ترِی مدح لکھوں

مَیں کہاں اور کہاں کثرتِ انوارِ حرم
پہلے دِل اپنا سنبھالوں تو ترِی مدح لکھوں



اِک کرن مطلعِ انوارِ ازل سے لے کر
اپنے لفظوں میں سجالوں تو تری مدح لکھوں

جلوۂ طُور ہے یا گُنبدِ خضرا کا جمال
مَیں ذرا ہوش میں آلوں تو تری مدح لکھوں

نامِ نامی پہ ترِے ہاتھوں کو بوسے دے کر
پہلے آنکھوں سے لگالوں تو تری مدح لکھوں

اِسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





ترے دیار کے احسان بھولتے ہی نہیں
عنایتوں کے وہ سامان بھولتے ہی نہیں

وہ جالیاں، وہ دریچے، وہ منبر و محراب
وہ دَر، وہ روضہ، وہ دربان بھولتے ہی نہیں

بوقتِ اذنِ حضوری وہ آنسوؤں کی تڑپ
وہ آرزوئیں وہ، ارمان بھولتے ہی نہیں

جبیں پہ نور، نظر میں ادب، دلوں میں گداز
حریمِ ناز کے مہمان بھولتے ہی نہیں

ملائکہ بھی یہ جنّت میں جا کے کہتے ہیں
کہ اُس نگر کے خیابان بھولتے ہی نہیں

نظر بدل گئی، منظر بدل گئے سارے
تری نگاہ کے فیضان بھولتے ہی نہیں



جو پردہ پردہ فروزاں ہوئے ترے دَر پر
رموزِ حق کے وہ عرفان بھولتے ہی نہیں

اطاعتوں کے جو وعدے ہوئے تھے روزِ الست
ترے کرم سے وہ پیمان بھولتے ہی نہیں

جو تیرے چاہنے والوں نے اپنے خوں سے لکھے
محبتوں کے وہ عنوان بھولتے ہی نہیں

ترا ظہور وہ انعام ہے کہ ہم جس کو
بقولِ سورۂ رحمان بھولتے ہی نہیں

مارچ ۱۹۸۴ء

(لاہور سے اسلام آباد آتے ہوئے)





اثر نصیب ہو حرفِ سخن جو تُو چاہے
عروجِ فن ہو مرا عجزِ فن جو تُو چاہے

دل و نظر میں جمالِ حرم کے پھول کھلیں
مہک اُٹھے مرا گنجِ محن جو تُو چاہے

دیارِ درد میں نغمہ سرا ہو فصلِ بہار
یہ خارزار ہو سرو و سمن جو تُو چاہے

ہمارے تارِ رگِ جاں پہ تا شکستنِ ساز
ترا ہی نام رہے زخمہ زن جو تُو چاہے



مجھے سلیقہ نہیں ہے سوال کرنے کا
جو تیرا لطف ہو شاہِ زمن جو تُو چاہے

قدم قدم پہ تری رحمتوں کا ساتھ رہے
دکھائیں راہ مجھے راہزن جو تُو چاہے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





ہم اہلِ دل کو مِلی ہے بس اک یہی تعلیم
نبیؐ کا نام سُنا اور خمِ سرِ تسلیم

عنایتوں کا مرقّع ہے اُن کی ذاتِ کریم
وہ بہترینِ خلائق، وہ احسنِ تقویم

اُنھی کے نام پہ ہیں عرش و فرش محوِ درود
اُنھی کے ذِکر سے مہکے ہُوئے ہیں ہفت اقلیم



بشر کا منصب عظمت بقدرِ عشقِ نبیؐ
ہیں اُن کے دَر کے بھکاری بھی واجب التعظیم

فرازِ عرش سے رحمت کا ہُن برستا ہے
پُکارتا ہے کوئی جب "مدد نبیِ کریمؐ"

ترے ظہورِ مُبارک کا پیش خیمہ ہے
جمالِ یُوسُفِ کنعاں، جلالِ ضربِ کلیم

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





جمالِ رُوئے انور کس طرح تحریر میں آئے
یہ وہ مصحف نہیں جو حیطۂ تفسیر میں آئے

ہر آنے والا دور اُس عہد کو حسرت سے دیکھے گا
شب و روزِ نبیؐ جس عہد کی تقدیر میں آئے

حضُوری کے لیے اُن کی عنایت شرطِ اوّل ہے
نہ یہ تقدیر میں آئے، نہ یہ تدبیر میں آئے



مدینے کا سفر ہو، باریابی ہو، حضُوری ہو
کوئی تو خواب میرا دامنِ تعبیر میں آئے

ادب نے وارداتِ عشق کی تہذیبؐ کی ورنہ
جنوں کے سلسلے کب حلقۂ زنجیر میں آئے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





دیارِ طیبہ ترے قافلوں کا ساتھ رہے
درِ حبیب ترے راستوں کا ساتھ رہے

نفس نفس میں مہکتی رہے تری خوشبو
قدم قدم پہ تری رحمتوں کا ساتھ رہے

نظر نظر میں دمکتے رہیں ترے جلوے
جو دل مِلا ہے تو پھر دھڑکنوں کا ساتھ رہے

عنایتوں کے مظاہر، عقیدتوں کے درُود
تری عطا کا، مِری طاعتوں کا ساتھ رہے



خطائیں میری علامت عطا تری پہچان،
ترے کرم کا، مِری لغزشوں کا ساتھ رہے

مچل اُٹھے جو کبھی دل دیارِ غُربت میں
تو خلوتوں میں تری جلوتوں کا ساتھ رہے

عنایتوں کا تواتُر، نوازشوں کا نُزُول
الٰہی لُطف کے اِن سلسلوں کا ساتھ رہے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





دیکھ کر اُن کو کسی اَور کو اَب کیا دیکھیں
زندہ رہنے کا کوئی اور سبب کیا دیکھیں

دیکھ آئے ہیں جو اُن کے رُخ و گیسو کا جمال
طلعتِ صبح ، خمِ کاکلِ شب کیا دیکھیں

اُن کا دَر دیکھ لیا اب کوئی حسرت ہی نہیں
باغِ فردوس کا سامانِ طرب کیا دیکھیں



اُن کی صُحبت نے جنھیں عزّ و شرف بخشا ہے
ایک سے ایک مکرّم ہیں نسب کیا دیکھیں

نظریں اُٹھتی ہی نہیں بارگہِ اقدس میں
خواہشِ دید بھی ہے حَدّ ادب، کیا دیکھیں

کثرتِ جلوۂ انوار میں گُم تارِ نظر
اب مرے دیدۂ دیدار طلب کیا دیکھیں

اِسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





ضیائے اُسوۂ کامل تلاش کرتے رہو
کمالِ حُسن کی منزل تلاش کرتے رہو

اطاعتوں کے عَلَم لے کے دشتِ امکاں میں
غُبارِ جادۂ محمل تلاش کرتے رہو

جہت نمائے عقیدت سے موجِ طوفاں میں
سکونِ قلب کے ساحل تلاش کرتے رہو



وُہ جن میں عشقِ نبیؐ کے چراغ جلتے ہیں
وُہی نگاہیں، وُہی دل تلاش کرتے رہو

سوالیوں میں کئی غوث ہیں، کئی ابدال
اساسِ جوہرِ قابل تلاش کرتے رہو

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





شہرِ انوار ترے حسنِ ضیا بار کی خیر
مسجد و منبر و بام و در و دیوار کی خیر

رہرو طیبہ ترے طالعِ بیدار کی خیر
اور تری منزلِ مقصود کے انوار کی خیر

محورِ دل زدگاں، محضرِ صاحب نظراں
اُس درِ فیض کی، اُس جلوہ گہِ یار کی خیر

چشمۂ فیض رہے قائم و دائم تا حشر
شہرِ الطاف ترے کوچہ و بازار کی خیر



میرے دامانِ طلب پر بھی عنایت کی نظر
میرے غمخوار ترے لطفِ گہر بار کی خیر

زیست تیری ہے بشر کیلیے معراجِ بشر
تیرے کردار کی، افعال کی، افکار کی خیر

وہ تو خود خیر ہیں سب کے لیے پھر بھی یا رب
میرے سردار، مرے قافلہ سالار کی خیر

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





جہانِ وہم تھا عالم حضورؐ سے پہلے
شبِ گماں تھی طلوعِ شعور سے پہلے

معلّقاتِ حرم بھی تھے مقتدر، لیکن
سطورِ سورۂ کوثر کے نور سے پہلے

چمک رہا تھا ترا نور ماورائے شہود
ترے وجود سے پہلے، ظہور سے پہلے



جھلک رہا تھا فضاؤں میں ایک عکسِ جمیل
ندائے طور سے پہلے، زبور سے پہلے

نبیؐ کے حکم سے ٹھہرا عمل بنائے شرف
حسب کے فخر، نسب کے غرور سے پہلے

خدا دکھائے مجھے اُنؐ کی صورتِ زیبا
عطائے جنّت و حور و قصور سے پہلے

اسلام آباد
مارچ ۱۹۸۴ء





یہ صدقہ ہے اُسی در کا، یہ تحفہ سبز گنبد کا
کہ دل سے نُور چھنتا ہے جمالِ اِسمِ احمدؐ کا

بتاؤں کیا کہ میں کیسے درِ اقدس پہ آ پہنچا
یہ قصہ ہے کسی درد آشنا کے لُطفِ بے حد کا

قُبا کے پاس وہ کچا سا گھر اب تک مہکتا ہے
جو کچھ دن کے لیے مسکن تھا انفاسِ محمدؐ کا



جہاں میں خیر و شر کی آج جو تقسیم قائم ہے
عطیہ ہے نبیؐ کا اور اُن کے جدِ امجد کا

ابو ایوب انصاریؓ کے گھر سے یاد آتا ہے
وہ دن جب شہر میں چرچا تھا اُن کی آمد آمد کا

ثنا ممکن نہیں ان کی، بیاں ممکن نہیں اب بھی
جمالِ رُخ کا، طرزِ گفتگو کا، قامت و قد کا

مدینہ منورہ
مارچ سنہ ۱۹۸۴ء





ایک عُنواں سے جاگے ہیں فسانے کیا کیا
اِک گُلِ تازہ نے مہکائے زمانے کیا کیا

سینۂ انوار بداماں ہیں جبینیں روشن
جھلملائے ہیں دِیے تیری ضیا نے کیا کیا

درِ طیبہ کی بہاروں کا پتہ بتلا کر
مجھ پہ احسان جتائے ہیں صبا نے کیا کیا

پسِ دیوارِ حرم صُفّہ، ریاض الجنّۃ
شہرِ اقدس میں ہمارے ہیں ٹھکانے کیا کیا



دیر اتنی تھی کہ سائل پہ نظر پڑ جائے
پھر تو جھولی میں گِرے آ کے خزانے کیا کیا

جب لیا اُن پہ ترا اِسمِ مبارک مَیں نے
جگمگائے مِری تسبیح کے دانے کیا کیا

دیر ہو جاتی ہے جب ناصیہ فرسائی کو
ڈھونڈتا ہوں تِری قربت کے بہانے کیا کیا

مدینہ منورہ
مارچ ۱۹۸۴ء





مَیں تیری عنایات کے قابل تو نہیں تھا
خاشاکِ رواں لائقِ ساحل تو نہیں تھا

تیرے حرمِ پاک کے دیدار سے پہلے
دل یُوں کبھی آسودۂ منزل تو نہیں تھا

مانا کہ کئی مُرسلِ برحق یہاں آئے
پر اُن میں کوئی تیرا مُماثل تو نہیں تھا

تسلیم کہ موجُود تھا یہ گلشنِ ہستی
غنچوں میں مگر شورِ عنادل تو نہیں تھا



لیلائے حقیقت بھی تھی اور جادۂ حق بھی
پر عشق پسِ سایۂ محمل تو نہیں تھا

اے محسنِ اعظمؐ تری تعلیم سے پہلے
اخلاق، عبادات میں شامل تو نہیں تھا

توفیقِ حضوری مِرے آقا کا کرم ہے
مَیں سائلِ در، خود کسی قابل تو نہیں تھا

مدینہ منورہ
اپریل ۱۹۸۴ء





آنکھوں سے درِ شاہِ ورا دیکھ رہا ہوں
مَیں کون ہوں، کیا چیز ہوں، کیا دیکھ رہا ہوں

اِک ذرّۂ ناچیز ہوا مہر بہ داماں
اُس محسنِ عالم کی عطا دیکھ رہا ہوں

یہ گنبدِ انوار، یہ مینار و درِ و بام
ہر شے میں اُنھیں جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

ہر راہ بُلاتی ہے یہاں جانبِ منزل
ہر جا وہی نقشِ کفِ پا دیکھ رہا ہوں



لپٹا ہُوا انفاسِ پیمبر کی مہک میں
انوارِ رسالت کی ضیا دیکھ رہا ہوں

جس نور سے ہر سینۂ مومن ہے منوّر
اُس نور سے صدیوں کی جِلا دیکھ رہا ہوں

مَیں رفتہ و آئندہ کی دہلیز پہ بیٹھا
تاریخ کا اِک عہدِ عُلا دیکھ رہا ہوں

لگ جائے تو چھٹتی نہیں صہبائے مدینہ
ہُوں سیر مگر دستِ سخا دیکھ رہا ہوں

مدینہ منورہ
اپریل ۱۹۸۴ء





یہ جانفزا، دلنواز لمحے جو تیرے در پہ بسر ہوئے ہیں

انھی کی رحمت سے منزلِ حق کے راستے مختصر ہوئے ہیں

تری نوازش کہ میں ترے شہرِ نور میں میہمان ٹھہرا

میں کیا بتاؤں کہ اس توجّہ سے دل پہ کیا کیا اثر ہوئے ہیں

دیارِ طیبہ کا گوشہ گوشہ مہک رہا ہے، دمک رہا ہے

یہاں بھی وہ جلوہ گر ہوئے ہیں، وہاں بھی وہ جلوہ گر ہوئے ہیں

ترے حرم کی یہ روح پرور فضائیں دل میں بسی رہیں گی

انھی کی لو سے فلک فروزاں، انھی سے ذرّے قمر ہوئے ہیں



دل و نظر میں گداز رکھنا، نبیؐ سے عجز و نیاز رکھنا

یہ وہ ڈگر ہے کہ جس پہ چل کر خدا سے ہم بہرہ ور ہوئے ہیں

تری قیادت کی رحمتیں ہیں، تری رسالت کا معجزہ ہے

کہ لاکھوں میلوں پہ رہنے والے بہم دگر ہم نظر ہوئے ہیں

تری تجلّی کی چند کرنیں میں ساتھ بھی لے کے جا رہا ہوں

یہ نور وہ ہے کہ جس سے اہلِ نیاز، اہلِ نظر ہوئے ہیں

بوقتِ رخصت انھیں کہیں سے نہ جانے کیا مل گیا اشارہ

بہار ہمراہ ہو گئی ہے، کرم مرے ہم سفر ہوئے ہیں

مدینہ منورہ
اپریل ۱۹۸۴ء





مدینے جاتی ہوئی ہوائیں مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں
اُحد سے اٹھتی ہوئی گھٹائیں مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

نصیب ہو تو سحر کی کرنوں کو عاجزانہ پیام بھیجوں
جب اُنکے روضے پہ سر جھکائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

صبا مدینے کے قافلوں سے یہ جا کے کہنا مری طرف سے
کہ جب بھی اُس در پہ بار پائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

دیارِ طیبہ کے بادلوں کو مری طرف سے یہ کوئی کہہ دے،
کہ جب وہاں اشکِ دل بہائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں



نبیؐ کی نگری کے باسیوں سے بصد ادب میری اِلتجا ہے
کہ جب بھی اُنکے حضور جائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

مجھے سلیقہ نہیں ہے، جُرأت نہیں ہے اظہارِ مدعا کی
ہر اک سے کرتا ہوں التجائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

اگر یہ ممکن نہیں کہ میں اِس مقامِ مقبولیت پہ ٹھہروں
تو جو یہاں کر سکیں دعائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

صبا کے جھونکوں سے بھی یہی التماس ہے میرا دست بستہ
کہ جب مدینے کو آئیں جائیں، مجھے دُعاؤں میں یاد رکھیں

مطار مدینہ منورہ
اپریل ۱۹۸۴ء





ہے کوئی آپؐ کا ہمسر، کسی کا نام تو لو
خُدا ہو جِس کا ثنا گر، کسی کا نام تو لو

ہے کوئی اُن کے علاوہ بھی سیّدِ کونَین
ہے کوئی خلق کا محور، کسی کا نام تو لو

ہے کون ساقیِ کوثر، بجُز نبیِ کریمؐ
ہے کون شافعِ محشر، کسی کا نام تو لو

کوئی مثال تو لاؤ، کوئی نظیر تو ہو
ہے کوئی اُن کے برابر، کسی کا نام تو لو



خدا کے بعد حَکم اور کوئی ہو تو کہو،
کوئی نبی، کوئی رہبر، کسی کا نام تو لو

اَزل سے تا بہ اَبد کس کی دستگیری ہے
ہے کوئی آپؐ سے بڑھ کر، کسی کا نام تو لو

ہمہ جہت، ہمہ پہلو، ہمہ صفت، ہمہ گیر
ہے کوئی نقشِ مکرّر، کسی کا نام تو لو

اسلام آباد — اکتوبر سنہ ۱۹۸۷ء





لیجو مُحمّدؐ نام　　بگڑے بنیں سب کام

مہک اُٹھا اِک اِک گھر آنگن

اُجیاروں سے تن من درپن

اُن کے نام سے صُبحیں روشن

جگمگ اُن سے شام

لیجو مُحمّدؐ نام



رُوپ سرُوپ انوپ ، نیارا

باتیں جیسے نُور کی دھارا

سب کا بھروسا، سب کا سہارا

اُن پہ درُود سلام

لیجو مُحمّدؐ نام



اُن کی شوبھا، شوبھا ساری

اُن کی خوشبو، کیاری کیاری

دو جگ میں اُن کی سرداری

سب چاکر بے دام

لیجو محمدؐ نام بگڑے بنیں سب کام

اسلام آباد اکتوبر ۱۹۸۶ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب گردِ سفر دُھل جاتی ہے، جب بندِ سفر کُھل جاتے ہیں

اور وقتِ حضوری اشکوں کی ندیوں کے لنگر کُھل جاتے ہیں

رحمت کی ضیائیں پھوٹتی ہیں، پردوں میں یا جھل مِل ہوتی ہے

پھر اک در ایسا کُھلتا ہے، جب سارے در کُھل جاتے ہیں

مارچ ۱۹۸۴ء

سید سلیم گیلانی

مدینہ منورہ





سرورِ موجۂ کوثر ہے میرے سینے میں
یہ کس کا عکس جھلکتا ہے آبگینے میں

یہاں سے عرشِ معلیٰ دکھائی دیتا ہے
جمالِ حسنِ ازل ہے نہاں مدینے میں

جو چاہتے ہو ملے گا اُس آستانے سے
مگر کمی نہ رہے عجز کے قرینے میں

مئے طہور میں بھی وہ مزہ نہ ہو شاید
جو تیرے در پہ ہے اشکوں کے جام پینے میں



صلائے عام ہے جو چاہے جھولیاں بھر لے
کوئی کمی نہیں آقا تیرے خزینے میں

الٰہی پھر مجھے توفیقِ حاضری مل جائے
اِس برس، اِسی موسم، اِسی مہینے میں

اسلام آباد۔ ستمبر ۱۹۹۰ء





یہ ہے دیارِ نبیؐ کی وہ برگزیدہ زمیں !
کہ سر اُٹھا کے دیکھتا ہے عرشِ بریں

کہیں تو ہوں گے اسی سرزمیں میں وہ ذرّے
جو لمسِ پائے نبیؐ سے ہوئے مہ و پرویں

ترے دیار میں ایسا تو ایک بھی نہ مِلا
کہ جس کے دِل کی تمنائیں دِل کی دِل میں رہیں

طلوع ہو کے رہا آفتابِ عالم تاب
اگرچہ ظُلمتِ شب تھی ہزار چیں بہ جبیں



چلو کہ چل کے پڑھیں اُن کے مصحفِ رُخ سے
اُن آیتوں کی وضاحت جو عرش سے اُتریں

تلاشِ ربّ ہے تو بس اُن کے راستے پہ چلو
نہ یہ کہ ڈھونڈ ہی لیں گے اُسے کہیں نہ کہیں

نبیؐ کے نقشِ کفِ پا تلاش کرتے رہو
یہ وہ ڈگر ہے کہ منزل ہے جس کی خُلدِ بریں

وہ میرے مولا و آقا ہیں، تجھ کو کیا واعظ
جو دِل میں تھیں وہ کہیں اُن سے اور ضرور کہیں



صفات و ذات میں یکتا، عمل میں لاثانی
مرے نبیؐ سا کوئی دوسرا ہُوا ہی نہیں!

یقین کر لیا اُن پر مگر عمل نہ کیا
تو گویا بات جہاں تھی، رہی وہیں کی وہیں

خُدا کے بعد ہر اِک فیصلہ اُنہیں کا ہے
اگر اُنہوں نے کہا ہاں تو ہاں، نہیں تو نہیں

اسلام آباد۔ جنوری ۱۹۹۵ء





صدیوں کے بعد اَب بھی وہی آب و تاب ہے
اے عکسِ اَلکِتابؐ ترا کیا جواب ہے

تعلیم اُنؐ کی اہلِ وفا کا نصاب ہے
تعمیلِ نبیؐ بخششِ روزِ حساب ہے

ہم کیوں نہ حرزِ جاں کریں صلِّ علیٰ کا وِرد
اُنؐ کا تو نام لینا بھی کارِ ثواب ہے

اِک ضابطے میں ڈھل گیا ہر شعبۂ حیات
یہ آپؐ کے پیام کا لُبِّ لُباب ہے

عظمت بقدرِ عجز ہے، نعمت بقدرِ شُکر
رحمت بقدرِ عشقِ رسالتمآبؐ ہے!



یہ شہرِ مدینہ ہے کہ معمورۂ انوار
جو ذرّہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

میری بیاضِ نعت کا روشن ترین باب
وہ مدح جو حضورِ نبیؐ مستجاب ہے

اِس حُسنِ انتخاب کی حکمت تو دیکھئے
اِک اُمّی لقبؐ حاملِ اُمُّ الکتاب ہے

اسلام آباد: فروری ۱۹۹۷ء



اُس کا بندہ ہوں میں جس کا کہ سراپا ہی نہیں
اُس کے سائے میں ہوں جس کا کوئی سایہ ہی نہیں

آپؐ کا سایۂ رحمت دو جہاں پر ہے محیط
ہادیٔ زیست بھی ہیں شافعِ عُقبیٰ ہی نہیں

سیّدالخلق ہیں رہبر تو مجھے کیا غم ہے
حشر تک اُن کے جلو میں کوئی کھٹکا ہی نہیں

ذرّے ذرّے نے نمو پائی تری رحمت سے
ابر ایسا کسی برسات میں برسا ہی نہیں

حُسنِ یوسفؑ ، دمِ عیسیٰؑ ، یدِ بیضا دیکھا
آپؐ سا نورِ مجسّم کبھی دیکھا ہی نہیں



رہنما کس کو بناؤں کہ مری راہوں میں
دُور تک اور کوئی نقشِ کفِ پا ہی نہیں

ایسی یکسوئی کا عالم ہے کہ سُبحانَ اللہ
چاہ کر اُن کو کسی اور کو چاہا ہی نہیں

۱۲ نومبر ۲۰۰۱ء ۔ لاہور





سبق یقین کا قرآنِ جلی سے سیکھا
عمل پیمبرِ اُمّی لقبی ﷺ سے سیکھا

علی رض سے سیکھا، حُسین رض ابنِ علی رض سے سیکھا
نبی ﷺ کا شیوہ ولی ابنِ ولی سے سیکھا

لاہور، ۱۷ اگست ۲۰۰۲ء



جلوۂ طور ہی تنویرِ حرا ہو جیسے — ایک ہی سلسلۂ نورِ ہُدیٰ ہو جیسے
خلوتِ غارِ حرا حُسنِ عطا ہو جیسے — جلوتِ غارِ حرا، بانگِ درا ہو جیسے
جبل النّور سے وہ نور کے سوتے پھوٹے — عِلم و عرفان کا دبستان کھُلا ہو جیسے
ہر شجر خلق کا مسجود تھا اُنؐ سے پہلے — ہر حجر قاضی الحاجات، خُدا ہو جیسے
عبد و معبود کی تفریق مِٹی جاتی تھی — سب کو میثاقِ ازل بھول گیا ہو جیسے
آپؐ آئے تو شبِ تار میں سو دیپ جلے — سارا ماحول ستاروں سے سجا ہو جیسے
بزمِ کونین میں وہ سیّدِ کونین آئے — گُلشنِ ہست میں جنّت کی ہوا ہو جیسے

اپنے اصحاب کے جُھرمٹ میں وہ خورشیدِ جمال
شاخِ طُوبیٰ پہ کوئی پھول کِھلا ہو جیسے

لاہور۔ اپریل ۲۰۰۳ء